ماہ نامہ

ہمدرد

نونہال

مئی ۱۹۸۵ء

ہوگا دنیا میں تو بے مثال میرے بچے میرے نونہال
فطری طور پر کوئی دو بچے اپنی شکل و صورت، عادات و اطوار اور دماغی صلاحیتوں کے اعتبار سے ایک جیسے نہیں ہوتے اور یوں ہر بچہ بے مثل کہلایا جا سکتا ہے۔ لیکن ہر ماں اپنے بچے کو انفرادی طور پر ایک تن درست، روشن دماغ اور بے مثل کامیاب انسان دیکھنا چاہتی ہے اس آرزو کی تکمیل کا زیادہ تر انحصار بچے کی صحیح اور صحت مند پرورش پر ہے۔
دور اندیش مائیں اپنے بچوں کی صحت مند پرورش اور آرام و سکون کے لیے انہیں نونہال ہربل گرائپ واٹر باقاعدگی سے دیتی ہیں۔
جڑی بوٹیوں سے تیار شدہ خوش ذائقہ نونہال ہربل گرائپ واٹر بچوں کی آئے دن کی تکالیف مثلاً بدہضمی، قبض، اپھارہ، قے و دست، بے خوابی، دانت آنا اور پیاس کی شدت وغیرہ کے لیے ایک مفید اور مؤثر گھریلو دوا ہے۔
Naunehal
Naunehal
Herbal Gripe Water
Hamdard
نونہال
ہربل گرائپ واٹر
بچوں کو مطمئن، مسرور اور صحت مند رکھتا ہے

ہمدرد نونہال

رکن آل پاکستان نیوز پیپرز سوسائٹی

شعبان — ۱۴۰۵ ہجری

مئی — ۱۹۸۵ عیسوی

جلد — ۳۳

شمارہ — ۵

ٹیلے فون: 616001 سے 616005

مجلس ادارت

صدرِ مجلس — حکیم محمد سعید

مدیرِ اعلا — مسعود احمد برکاتی

مدیرۂ اعزازی — سعدیہ راشد

قیمت فی شمارہ — ۴ روپے

سالانہ — ۴۵ روپے

سالانہ (رجسٹری سے) - ۸۱ روپے

پتا

ہمدرد نونہال، ہمدرد ڈاک خانہ

ناظم آباد - کراچی ۱۸

ہمدرد فاؤنڈیشن (پاکستان) نے نونہالوں کی تعلیم و تربیت اور صحت و مسرت کے لیے شائع کیا

اس رسالے میں کیا کیا ہے

جاگو جگاؤ	جناب حکیم محمد سعید	۳
پہلی بات	مسعود احمد برکاتی	۵
حمد (نظم)	جناب سرور بجنوری	۶
خیال کے پھول	ننھے گل چیں	۷
ہم سب بچے ایک ہیں	جناب میرزا ادیب	۹
میں پانی کی ایک بوند ہوں	جناب محمد اعزاز الدین	۲۱
طب کی روشنی میں	جناب حکیم محمد سعید	۲۷
کرکٹ کے آسمان....	جناب ساجد علی ساجد	۳۰
خانقاہ کا بھوت	جناب علی اسد	۳۳
کارٹون	جناب مشتاق	۴۱
گھوڑی کا انڈا	ادارہ	۴۲
شاہی جاسوس	جناب سعا	۴۵
صبح کا منظر (نظم)	جناب طالب حسین طالب	۴۹
ہمدرد انسائیکلو پیڈیا	جناب علی ناصر زیدی	۵۱
بوجھو تو جانیں	ادارہ	۵۴
گھوڑے کا تعارف	جناب یوسف ناظم	۵۷
پہچان	جناب میاں عبدالرشید	۶۲
تحفے	باذوق نونہال	۶۵
ہر دم آگے بڑھتے جاؤ (نظم)	جناب سمیع الوری	۷۱
اخبار نونہال	ننھے صحافی	۷۲
معلومات عامہ ۲۲۹	ادارہ	۷۴
کتنے کام کے ہیں یہ میٹر	جناب رشید الدین احمد	۷۵
مسکراتے رہو	ننھے مزاح نگار	۷۸
صحت مند نونہال	ادارہ	۸۰
نونہال مصور	ننھے آرٹسٹ	۸۱
اس شمارے کے مشکل الفاظ	ادارہ	۸۲
نونہال ادیب	ننھے لکھنے والے	۸۳
بزم نونہال	نونہال پڑھنے والے	۱۰۱
معلومات عامہ ۲۲۷ کے جوابات	ادارہ	۱۰۷

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیثِ نبوی آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور تبلیغ کے لیے شائع کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے، لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہوں اُن کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حُرمتی سے محفوظ رکھیں۔

اس رسالے کی تمام کہانیوں کے کردار اور واقعات فرضی ہیں۔ ان میں سے کسی کی کسی حقیقی شخص یا واقعے سے مطابقت محض اتفاقی ہو سکتی ہے، جس کے لیے ادارہ ذمّے دار نہ ہوگا۔

حکیم محمد سعید، پبلشر نے ماس پرنٹرز کراچی سے چھپوا کر ادارۂ مطبوعاتِ ہمدرد ناظم آباد کراچی ۱۸ سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جاگو جگاؤ

اللہ کا شکر ہے کہ پاکستان بننے کے بعد جو بچّے پیدا ہوئے تھے، وہ اب جوان ہیں، تعلیم حاصل کر چکے ہیں، اپنی اپنی پسند کے میدانوں میں مصروفِ عمل ہیں اور پاکستان کی خدمت کر رہے ہیں۔ اسی طرح آج جو بچّے ہیں وہ کل جُوان ہوں گے اور علم کے زیور سے آراستہ ہو کر اپنے پیارے وطن کی خدمت میں لگ جائیں گے۔ کوئی شک نہیں کہ ہمارے پاکستان کو مشکلات پیش آئیں، ہمیں کچھ تکلیفیں اُٹھانی پڑیں اور اب بھی کچھ مسئلے ہیں، کچھ دشواریاں ہیں، لیکن ان شاء اللہ یہ بھی دُور ہو جائیں گی۔ دُور کون کرے گا؟ کوئی باہر سے آکر ہمارے مسئلے حل نہیں کرے گا، ہم خود ہی حل کریں گے۔ یہ ہمارے مسئلے ہیں۔ ان کو کوئی دوسرا کیوں حل کرنے لگا۔ ہمیں خود ہی حل کرنے پڑیں گے۔

زندگی میں جو بھی مشکل پیش آتی ہے وہ ہمّت اور محنت ہی سے دُور ہوتی ہے۔ کم ہمّتی اور بے عملی سے کوئی مشکل آسان نہیں ہوتی۔ گھبرانے اور مایوس ہونے سے کوئی پریشانی ختم نہیں ہوتی۔ اگر انسان میں حوصلہ ہو تو وہ ہر طوفان کا مقابلہ کر سکتا ہے۔ ہم نے جس محبّت سے پاکستان بنایا تھا، اسی محبّت سے پاکستان مضبوط بن سکتا ہے، اسی محبّت سے پاکستان ترقی کر سکتا ہے، یہی محبّت ہم سب کو پاکستان کی خدمت اور ترقی کے لیے ایک دل اور ایک جان کر سکتی ہے۔ پاکستان ماشاء اللہ بڑا ملک ہے۔ اس میں کئی صوبے ہیں، کئی زبانیں بولنے والے رہتے ہیں، مگر ہیں سب پاکستانی، اور ہر پاکستانی، دوسرے پاکستانی کا بھائی ہے۔ بھائی اپنے کسی بھائی کو نقصان نہیں پہنچا سکتا، تکلیف میں نہیں دیکھ سکتا۔

آؤ عہد کریں کہ پاکستان سے محبّت کریں گے اور پاکستان کی تعمیر کریں گے۔

تمھارا دوست اور ہمدرد

حکیم محمد سعید

اِک نیا معیار
ڈیزائن بیشمار

گولڈ فِش ڈیلکس پینسل

Goldfish
DELUXE PENCIL

بین الاقوامی معیار کے مُطابق دیدہ زیب
ڈیزائنوں میں اپنی نوعیت کی واحد
گولڈ فِش ڈیلکس پینسل۔
دیکھنے میں دلکش استعمال میں بہترین
گولڈ فِش ڈیلکس پینسل

ہر دکان/اسٹور اور اسٹیشنرز سے
دستیاب ہیں۔

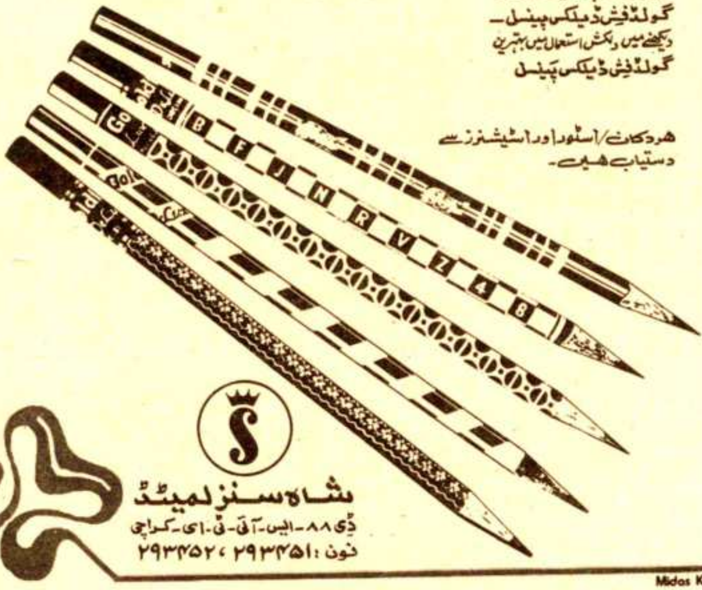

شاہ سنز لمیٹڈ
ڈی ۸۸ - ایس - آئی - ٹی - ای - کراچی
فون : ۲۹۳۴۵۱ ، ۲۹۳۴۵۲

Midas Khi

پہلی بات

مسعود احمد برکاتی

سنہ پچاسی کا پانچواں شمارہ آپ کے سامنے ہے!

ابھی کل کی بات ہے کہ نیا سال شروع ہوا تھا اور ہم نے سوچا تھا کہ لو بھئی ایک سال اور بیت گیا، لیکن اب یہ سال بھی ہاتھ سے نکلا جارہا ہے۔ کیا وقت کی رفتار بھی بڑھ گئی؟ نہیں، وقت کی رفتار تو وہی ہے جو ہمیشہ سے تھی۔ وقت ہمیشہ یکساں چال چلتا ہے۔ فرق صرف ہماری سوچ کا ہوتا ہے۔ جب ہم وقت کی قدر کرنے لگیں اور اس کو کام میں لانے لگیں تو پھر ہمیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وقت تیزی سے بھاگا جارہا ہے۔ عام طور پر زیادہ عمر والوں کو وقت کے گزرنے کا احساس زیادہ ہوتا ہے، کیوں کہ اُن لوگوں کے پاس وقت کم رہ جاتا ہے۔ بچّوں کو وقت گزرنے کا زیادہ خیال نہیں ہوتا، بلکہ وہ سوچتے ہیں کہ وقت جلدی سے گزرے اور جمعے کا دن جلد آئے تاکہ وہ چھٹی منائیں، کھیلیں کُودیں۔ کھیلنا کُودنا بھی بُری بات نہیں ہے، اچھی بات ہے۔ اس سے صحت اچھی ہوتی ہے اور پھر پڑھنے لکھنے اور کام کرنے میں دل لگتا ہے۔ سب سے اچھی بات یہ ہے کہ آدمی سب کام کرے۔ پڑھے لکھے، کھیلے کُودے، گھر کا کام کرے، اپنے بڑوں کا ہاتھ بٹائے اور آرام بھی کرے۔ اور یہ سب باتیں اپنے اپنے وقت پر کرے۔ کسی ایک چیز کا ہو کر نہ رہ جائے۔ ہمدرد نونہال کا بھی پیغام ہے۔ اِسی لیے ہمدرد نونہال میں تفریح کی چیزیں بھی ہوتی ہیں اور معلومات بڑھانے والی باتیں بھی۔ شاید اِسی لیے ہمدرد نونہال کو بچّے بھی شوق سے پڑھتے ہیں اور بڑے بھی اسے پسند کرتے ہیں۔ جتنے زیادہ لوگ ہمدرد نونہال کو پسند کرتے ہیں ہمیں اتنی ہی خوشی ہوتی ہے اور ہم زیادہ محنت کرتے ہیں۔

آج کل ہم خاص نمبر کے متعلق سوچ بچار کر رہے ہیں کہ اس میں کیا کیا ہو، کتنے صفحے ہوں، ایک ناول یا لمبی کہانی بھی شامل کریں یا چھوٹی چھوٹی کہانیاں بہت سی دیں۔ کرشن چندر کی چالاک خرگوش تو ختم ہو گئی۔ اب نئی قسط وار کہانی کی تلاش ہے۔

جن بزرگوں کی تصویروں کے کارڈ آپ کو اس شمارے کے ساتھ مل رہے ہیں، وہ ہمارے محسن ہیں۔ ان بزرگوں کے ہم پر بہت احسانات ہیں۔ احسانات اُتارنے کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ ہم اُن جیسے بننے کی کوشش کریں۔ اللہ آپ کو بھی بڑا بنائے۔

حمد

سرور بجنوری

یا خدا تیرا نام سچّا ہے
تیرا سارا کلام سچّا ہے

تُو ہے ذات وصفات میں یکتا
کام تیرے ہیں عقل سے بالا

جلوہ گر تیری قدرتیں ہر سُو
نظر آتا ہے جگ میں تُو ہی تُو

تیری قدرت کمال کرتی ہے
غم زدوں کو نہال کرتی ہے

کیسے ہو تیری نعمتوں کا شمار
تُو نے ہر جا لگا دیے انبار

کیا ٹھکانا تری نوازش کا
لیکن انساں ہے پھر بھی ناشکرا

اپنے بندوں کو رزق دیتا ہے
جس سے ہر اک سرور لیتا ہے

خیال کے پھول

* حضورِ اکرمؐ

قیامت کے روز میرے سب سے قریب وہ شخص ہوگا جس کے اخلاق سب سے اچھے ہوں گے۔

مرسلہ: ریحان افضل شیخ، لطیف آباد

* حضرت علیؓ

جب کسی برتن میں کوئی چیز ڈالی جائے تو وہ تنگ ہو جاتا ہے اور اس میں مزید گنجائش نہیں رہتی، لیکن علم کے برتن یعنی انسانی سینے میں جس قدر علم ڈالتے جاؤ وہ اتنا ہی پھیلتا جاتا ہے۔

مرسلہ: بشیر احمد عاصمی، ملتان

* سقراط

وہ آدمی ہی کیا جس سے اُس کے دوست خائف رہتے ہوں۔

* ڈاکٹر سموئل جانسن

مشکل ایسا عُذر ہے، جسے تاریخ کبھی تسلیم نہیں کرتی۔

* ولیم شیکسپیئر

ہر ایک بدگوئی سُن لو، لیکن اپنا فیصلہ محفوظ رکھو۔

* پریم چند

اگر جھوٹ بولنے سے کسی کی جان بچتی ہے تو جھوٹ گناہ نہیں ثواب ہے۔ مرسلہ: طارق محمود بٹ، دینہ

* داتا گنج بخش

جب انسان نیک ہو جاتا ہے تو اس کا ہر کام نیک ہوتا ہے۔

* مولانا شوکت علی

ہماری ماں نے ہمیں زندہ رہنے اور آزادی سے زندگی گزارنے کا سبق دیا ہے۔

مرسلہ: ذوالفقار آزاد، شادی پلی

* لانگ فیلو

میں نے سب سے پہلے ماں کی آنکھوں میں محبت کا رنگ دیکھا ہے۔

مرسلہ: محمد خالد اعوان، حیدر آباد

* ٹیگور

ہمت سے زندگی بنتی ہے اور بے دلی سے موت۔

مرسلہ: اعجاز احمد پرنس، دادو

* ایڈیسن

اپنے متعلق آپ کچھ نہ کہیے۔ آپ کا کام آپ کے جانے کے بعد ہو جائے گا۔

مرسلہ: گل اعوان نیازی، لانڈھی

* لیونارڈو دا ونچی

مسکراہٹ محبت کی تخلیق ہے، محبت کا اظہار ہے اور محبت کی ملکیت ہے۔ مرسلہ: ڈائمنڈ عمانوئیل، لاہور

تمام طلباء و طالبات کی دلپسند

نوٹ بکس

پی پی پی برانڈ

ملک بھر کے یوٹیلٹی اور کینٹین اسٹورز اور اسٹیشنری کی
دوکانوں میں مقررہ داموں پر دستیاب ہیں۔

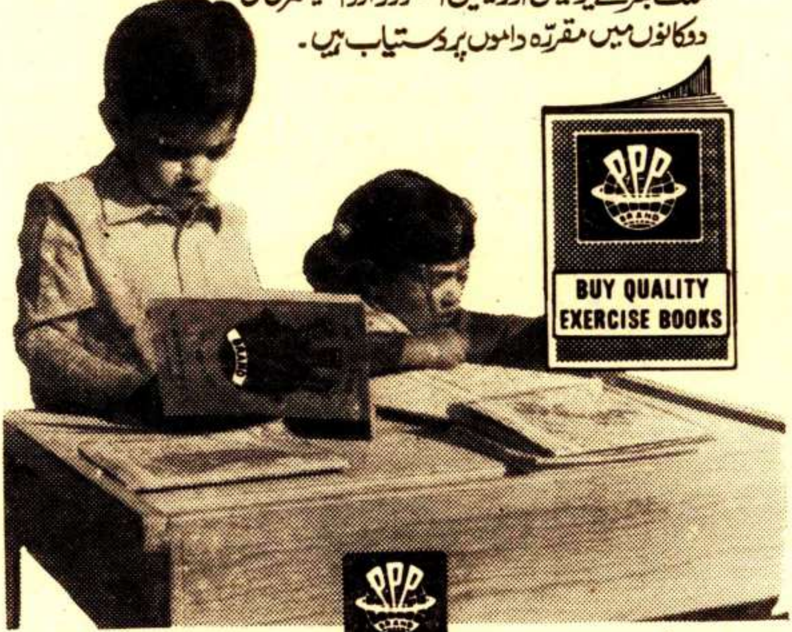

پاکستان پیپر پروڈکٹس لمیٹڈ

پوسٹ بکس نمبر ۷۴۳۸۔ کراچی ۳

786/PPP-16/84

ہم سب بچّے ایک ہیں

میرزا ادیب

کھیل میں کام کرنے والے

افضل ، رؤف ، شفیع ، حمید ، سرفراز ، انجم ، ماسٹر صاحب ، خان صاحب

اور

نوکر

ایک پرائمری اسکول میں آدھی چھٹی ہو چکی ہے۔

اسکول کے لڑکے اسکول کے قریبی باغ کے اندر کھیل کود رہے ہیں۔ چھوٹے چھوٹے گروہوں میں بٹ کر باتیں کر رہے ہیں یا کچھ کھا پی رہے ہیں۔

اسٹیج پر صرف ایک گروہ دکھایا جاتا ہے۔ اس گروہ میں چار لڑکے شامل ہیں۔ دو سامنے بیٹھے ہیں۔ ایک دائیں جانب اور دوسرا بائیں جانب۔

جو سامنے بیٹھے ہیں ان کے نام ہیں، افضل، رؤف اور دائیں طرف جو لڑکا بیٹھا ہے وہ شفیع ہے اور بائیں طرف سرفراز بیٹھا ہے۔

جب پردہ اُٹھتا ہے تو ان میں حمید شامل ہو رہا ہے۔

شفیع: (حمید سے) شہزادہ صاحب کہاں ہیں؟

حمید: کلاس سے نکلے ہیں۔ نوکر ان کے ساتھ ساتھ آ رہا ہے۔

(حمید ایک طرف بیٹھنے لگتا ہے۔)

افضل: بھائی حمید!

حمید: ہوں۔

افضل: میں کہتا ہوں اسے تو کسی شہزادوں کے اسکول میں ہونا چاہیے تھا۔ اِدھر کیا کرنے آ گیا ہے؟

رؤف: پتا نہیں کیا کرنے آ گیا ہے۔

سرفراز: بڑے دولت مند باپ کا بیٹا ہے۔ اتنی لمبی کار میں آتا ہے۔ نوکر سائے کی طرح ساتھ ساتھ رہتا ہے۔

رؤف: یہ شہزادہ تو ہمارے لیے ایک مصیبت بن گیا ہے۔ وہ آئے تو اسے فوراً راستہ دو، کچھ پوچھے تو ادب سے جواب دو۔

افضل: اور تم نے دیکھا نہیں۔ وہ کلاس میں ہوتا ہے تو ماسٹر صاحب کس طرح اس سے باتیں کرتے ہیں۔ (ماسٹر صاحب کی نقل اُتارتے ہوئے) چھوٹے خان صاحب! آپ نے سوال سمجھ لیا۔ کوئی تکلیف ہو تو بتائیے ...."

رؤف: لگتا ہے یہ شہزادہ ماسٹر ہے اور ماسٹر جی ..... ایک لڑکے ہیں۔

سرفراز: ماسٹر صاحب صرف اُس کو پڑھاتے ہیں .... اسی پر توجہ دیتے ہیں .... ہم تو کلاس میں جیسے ہوتے ہی نہیں۔

شفیع: ماسٹر صاحب صرف اُسی کا خیال رکھتے ہیں۔ ہماری کسی کو پروا ہی نہیں۔

(حمید ایک طرف دیکھتا ہے)

حمید: شہزادہ صاحب آرہے ہیں۔

رؤف: کیا! ادھر؟

حمید: شاید .... ہاں اسی طرف آ رہے ہیں۔

سرفراز: چلو کہیں اور چلیں۔

(سب اُٹھ بیٹھتے ہیں اور تیزی سے ایک طرف جانے لگتے ہیں۔ انجم آتا ہے۔ انجم بڑے شان دار لباس میں ہے۔ اس کے پیچھے پیچھے اس

کا نوکر آرہا ہے۔ جس کے ہاتھ میں چھوٹا سا قالین اور ٹفن کیریئر ہے۔ نوکر گھاس پر قالین بچھا دیتا ہے۔)

نوکر: بیٹھ جائیے چھوٹے خان صاحب۔

(انجم قالین پر بیٹھ جاتا ہے اور اِدھر اُدھر دیکھتا ہے اور اُداس ہو جاتا ہے۔ ماسٹر صاحب آتے ہیں۔)

ماسٹر صاحب: چھوٹے خان صاحب، کوئی تکلیف؟

انجم: بھاگ گئے ہیں۔

ماسٹر صاحب: کون بھاگ گئے ہیں؟

نوکر: ماسٹر صاحب! چھوٹے خان صاحب یہ کہہ رہے ہیں کہ لڑکے یہاں بیٹھے تھے۔ ہمیں دیکھتے ہی بھاگ گئے ہیں۔

ماسٹر صاحب: کیوں بھاگ گئے ہیں؟

نوکر: پتا نہیں جی کیوں!

(ماسٹر صاحب ایک طرف منھ کر کے کہتے ہیں حمید، رؤف، شفیع۔ سب آؤ۔ حمید، شفیع، افضل اور سرفراز آتے ہیں۔ ایک کے ہاتھ میں مولی ہے ایک گاجر کھا رہا ہے۔ ایک کے ہاتھ میں آم ہے ایک نے سنترہ اُٹھا رکھا ہے۔ یہ سب لڑکے سہمے ہوئے لگتے ہیں۔)

ماسٹر صاحب: (غصّے سے) تم لوگ یہاں بیٹھے تھے؟

(سب ہاں کے انداز میں سر ہلاتے ہیں۔)

ماسٹر صاحب: پھر بھاگ کیوں گئے تھے؟

(سب ایک دوسرے کو دیکھتے ہیں اور خاموش رہتے ہیں۔)

ماسٹر صاحب: بڑی بات، بیٹھ جاؤ۔

(لڑکے بیٹھ جاتے ہیں۔)

ماسٹر صاحب: لڑکو! چھوٹے خان صاحب کا خیال رکھا کرو۔

(ماسٹر صاحب انجم سے مخاطب ہوتے ہیں۔) چھوٹے خان صاحب! کسی قسم کی تکلیف ہو تو فوراً مجھے اطلاع دیں۔ ٹھیک ہے نا۔

(انجم ہاں میں سر ہلاتا ہے۔ نوکر ٹفن کیریئر کھولتا ہے۔ اس میں سے چھوٹی پلیٹ نکال کر انجم کے سامنے رکھ کر اس پر کیک کے چند ٹکڑے رکھ دیتا ہے۔ دودھ کا گلاس پلیٹ کے پاس لگا دیتا ہے۔

ماسٹر صاحب جانے لگتے ہیں۔)

نوکر: لیجیے چھوٹے خان صاحب۔

انجم: ہم نہیں کھائیں گے۔

نوکر: کیوں نہیں کھائیں گے۔

انجم: بھوک نہیں ہے۔

نوکر: کھا لیجیے چھوٹے خان صاحب! آپ کی ممّی نے کہا تھا....

انجم: ہم نہیں کھاتے۔

(ماسٹر صاحب جو جارہے ہیں نوکر اور انجم
کے الفاظ سُن کر واپس آنے لگتے ہیں۔)

نوکر: چھوٹے خان صاحب! کھا لیجیے نا۔
ماسٹر صاحب بھی کہتے ہیں۔

انجم: نہیں۔

ماسٹر صاحب: کھا لیجیے۔

انجم: (لڑکوں کی طرف اشارہ کرکے) یہ بھی کھائیں۔

ماسٹر صاحب: یہ اپنی اپنی چیزیں کھا رہے
ہیں۔

(ماسٹر صاحب لڑکوں کی طرف دیکھ کر تحکمانہ
انداز میں)

"تم کیوں نہیں کھاتے؟

(لڑکے اپنی اپنی چیزیں کھانے لگتے ہیں۔
انجم کیک کا ذرا سا ٹکڑا منہ میں ڈال لیتا ہے۔)

ماسٹر صاحب: اور لیجیے۔

انجم: بس۔

نوکر: (گلاس انجم کی طرف بڑھاتے ہوئے)
یہ پی لیں۔

انجم: نہیں۔

ماسٹر صاحب: پی لیجیے چھوٹے خان صاحب۔

انجم: یہ بھی پییں۔

ماسٹر صاحب: یہ نہیں پییں گے ان کے پاس
اپنی چیزیں جو ہیں۔

(ماسٹر صاحب غضب ناک نظروں سے لڑکوں

کو دیکھتے ہیں جنھوں نے اپنی چیزیں کھانا بند کر رکھا ہے اور انجم کو غور سے دیکھ رہے ہیں۔)

انجم: ہم نہیں پئیں گے۔

نوکر: پی لو چھوٹے خان صاحب، آپ کی ممّی مجھ پر ناراض ہوں گی۔

ماسٹر صاحب: پی لیجیے۔ آپ کے لیے ہے۔

(لڑکے انجم کا کیک حریصانہ نگاہوں سے دیکھ رہے ہیں، ماسٹر صاحب ان سے مخاطب ہوتے ہیں۔)

ماسٹر صاحب: تم کیوں اِدھر دیکھ رہے ہو؟"

(لڑکے کیک سے نگاہیں ہٹا لیتے ہیں۔)

نوکر: پی لیجیے دودھ۔

انجم: نہیں پیتے۔

(انجم یہ لفظ کہتا ہے تو لڑکے بے اختیار مسکرانے لگتے ہیں۔ ماسٹر صاحب انھیں اس طرح مسکراتے ہوئے دیکھ کر غصّے سے کہتے ہیں۔)

ماسٹر صاحب: لڑکو!

انجم: ماسٹر جی۔

(لڑکے ایک دم سہم جاتے ہیں۔)

ماسٹر جی: (تیزی سے آگے بڑھ کر) کیوں چھوٹے خان صاحب۔

انجم: یہ ہم سے بولتے نہیں۔

ماسٹر جی: بولتے نہیں۔ ان کی یہ مجال۔

(غضب ناک لہجے میں) او بدبختو! چھوٹے خان صاحب سے بولتے کیوں نہیں؟

(لڑکے خاموش رہتے ہیں۔)

ماسٹر جی: سُنا نہیں تم نے؟

(لڑکے منھ سے کچھ نہیں کہتے۔ ہاں میں سَر ہلانے لگتے ہیں۔)

ماسٹر صاحب: اب یہ شکایت نہیں سنوں گا۔

(نوکر انجم کا کیک وغیرہ لے جانے لگتا ہے۔ ماسٹر جی اسے دیکھتے ہیں۔)

ماسٹر جی: (نوکر سے) اُدھر چلو.... تم سے کچھ کہنا ہے۔ (لڑکوں سے) اور لڑکو! باتیں کرو چھوٹے خان صاحب سے۔

(ماسٹر جی اور نوکر جانے لگتے ہیں، انجم ایک ایک کا منھ دیکھنے لگتا ہے۔ شفیع حمید کے بازو میں چٹکی لیتا ہے۔)

حمید: ہائے مر گیا۔

انجم: کیا ہوا؟

حمید: (شفیع کی طرف اشارہ کر کے) یہ.... اس نے میرے بازو میں کاٹا ہے۔

انجم: دانتوں سے کاٹا ہے۔

حمید: (جلدی سے) ہاں.... نہیں نہیں۔ انگلیوں سے کاٹا ہے۔

انجم: انگلیوں سے بھی کاٹا جاتا ہے؟

(سب ہنس پڑتے ہیں۔ دو تین لمحوں کی

خاموشی)

انجم: (شفیع سے) رات تم نے کیا کھایا تھا۔

شفیع: کھچڑی۔

انجم: وہ کیا ہوتی ہے۔

شفیع: کھچڑی ہوتی ہے.... وہ جو کھچڑی ہوتی ہے۔ اس میں چاول ہوتے ہیں۔

انجم: وہ تو پلاؤ ہوتا ہے۔

سرفراز: میری باجی کا بیاہ ہوا تھا تو میں نے پلاؤ کھایا تھا۔

انجم: میں کھچڑی کھانا چاہتا ہوں۔ شفیع! تمھارے گھر آؤں کھچڑی کھلاؤ گے؟

(شفیع کوئی جواب نہیں دیتا۔ ٹکٹکی باندھ کر انجم کو دیکھتا رہتا ہے۔)

انجم: تم سیر کرتے ہو؟

حمید: کبھی کبھی تانگے میں بیٹھ کر۔

انجم: میرے ڈیڈی نے نئی کار خریدی ہے۔ میں ہر روز اس میں سیر کرتا ہوں۔

حمید: یہ تانگا میرے ابّو کا ہے۔

انجم: اس میں بیٹھیں تو مزا آتا ہے؟

حمید: بڑا مزا آتا ہے۔

انجم: مجھے بھی سیر کراؤ اپنے تانگے میں۔ کیوں حمید سیر کراؤ گے نا؟

حمید: (ذرا توقف سے) شہزادے تانگے میں کب بیٹھتے ہیں؟

انجم: کون شہزادے؟

حمید: آپ شہزادے ہیں۔ موٹروں میں بیٹھنے والے۔ ہم غریب غربا تانگوں میں بیٹھتے ہیں۔

انجم: میں انجم ہوں۔ شہزادہ نہیں ہوں۔

حمید: سب آپ کو شہزادہ کہتے ہیں۔

انجم: کیوں کہتے ہیں؟

حمید: کیوں کہ..... کیوں کہ.....

(حمید کو وجہ بیان کرنے کے لیے الفاظ نہیں ملتے، خاموش ہو جاتا ہے۔ انجم شفیع کے ہاتھ میں گاجر دیکھتا ہے۔)

انجم: یہ گاجر مجھے دو۔

(انجم ہاتھ بڑھاتا ہے۔ شفیع گاجر اسے دے دیتا ہے۔ انجم گاجر کھانے لگتا ہے۔ نوکر بھاگتا ہوا آتا ہے اور چیختا ہے۔)

نوکر: غضّب خدا کا! چھوٹے خان صاحب یہ کیا کر رہے ہیں۔ پیٹ میں درد ہوگا۔)

(نوکر اس کے ہاتھ سے گاجر لینے کی کوشش کرتا ہے۔ انجم گاجر والا ہاتھ پیچھے ہٹا لیتا ہے۔)

نوکر: چھوٹے خان صاحب! خدا کے لیے پھینک دیں۔ آپ کی ممّی میری جان لے لیں گی۔

(انجم مزے سے گاجر کھا رہا ہے۔)

نوکر: چھوٹے خان صاحب..... چھوڑ

دیں.....

(نوکر زور سے "ماسٹر جی" کہہ کر پکارتا ہے۔ ماسٹر صاحب آتے ہیں۔)

ماسٹر صاحب: کیا ہوا؟

نوکر: (روتے ہوئے) ماسٹر جی..... چھوٹے خان صاحب گاجر..... کھا رہے ہیں۔

ماسٹر صاحب: چھوٹے خان صاحب! دے دیں گاجر۔

(انجم گاجر کا بیشتر حصّہ کھا چکا ہے۔ باقی حصّہ پھینک دیتا ہے۔)

نوکر: بڑی بڑی بات ہوئی ماسٹر جی! چھوٹے خان صاحب کو کچھ ہو گیا تو..... گاجر کھانے سے پیٹ میں درد.....

ماسٹر جی: (نوکر کا فقرہ کاٹتے ہوئے) گاجر ان کے ہاتھ میں آئی کیسے؟

انجم: میں نے اپنے دوست سے لی تھی۔

ماسٹر جی: کون دوست؟ حمید تم بتاؤ۔

حمید: شفیع ماسٹر صاحب۔

(ماسٹر صاحب غضب ناک نگاہوں سے شفیع کو دیکھتے ہیں۔)

ماسٹر صاحب: بدبخت! تُو نے گاجر کیوں دی انھیں؟

(شفیع خوف زدہ نظروں سے ماسٹر صاحب کو دیکھتے ہوئے کھڑا ہو جاتا ہے۔ ماسٹر صاحب کڑک کر پوچھتے ہیں۔)

ماسٹر صاحب: میں پوچھتا ہوں تم نے گاجر کیوں دی تھی؟

شفیع: میں نے نہیں دی تھی۔

ماسٹر صاحب: تو اُڑ کر ان کے پاس پہنچ گئی۔ بدبخت جھوٹ بولتا ہے۔

(ماسٹر صاحب زور سے شفیع کے گال پر تھپڑ مارتے ہیں۔ وہ لڑکھڑا کر گر پڑتا ہے۔ انجم بے اختیار رونے لگتا ہے۔ وہ کھڑا ہو چکا ہے۔

ماسٹر صاحب: چھوٹے خاں صاحب..... آپ.....

(ماسٹر صاحب انجم کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرتے ہیں۔)

ماسٹر صاحب: کیا بات ہوئی چھوٹے خان صاحب!

انجم: آپ نے مارا ہے.... اُسے۔

(انجم کے والد خان صاحب آتے ہیں۔ ماسٹر صاحب بڑے احترام اور ادب سے آگے بڑھ کر "خان صاحب جی سلام علیکم" کہتے ہیں۔ خان صاحب انجم کو دیکھتے ہیں۔ پھر ان کی نظر شفیع پر پڑتی ہے جو اپنے گال پہ ہاتھ پھیرتے ہوئے سسکیاں لے رہا ہے۔)

خان صاحب: کیا ہوا اسے؟

ماسٹر صاحب: اس نے چھوٹے خان صاحب کو گاجر دے دی تھی جناب۔

(گھنٹی بجتی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ آدھی چھٹی ختم ہو چکی ہے۔)

خان صاحب: آدھی چھٹی ختم ہو گئی ہے۔

ماسٹر صاحب: جی.... جی.... جی۔ لڑکو! جاؤ کلاس میں۔

(لڑکے جانے لگتے ہیں۔ انجم کھڑا رہتا ہے۔ خان صاحب اس کی طرف دیکھتے ہیں۔)

خان صاحب: تم نے گھنٹی کی آواز نہیں سُنی انجم؟

ماسٹر صاحب: کوئی بات نہیں خان صاحب۔

خان صاحب: انجم جاؤ بیٹا! آدھی چھٹی ختم ہو گئی ہے۔

(انجم جانے لگتا ہے۔ اب اسٹیج پر ماسٹر صاحب اور خان صاحب کھڑے ہیں۔)

ماسٹر صاحب: مجھے بڑا افسوس ہے کہ....

خان صاحب: (جلدی سے) افسوس کس بات کا؟

ماسٹر صاحب: اس بدتمیز نے چھوٹے خان صاحب کو گاجر دے دی۔

خان صاحب: کیا گاجر انسان نہیں کھاتے؟ یا انجم کو آپ انسان نہیں سمجھتے؟

(ماسٹر صاحب سٹپٹا جاتے ہیں۔)

ماسٹر صاحب: جی وہ.... بات یہ ہے.... گاجر کھانے سے چھوٹے خان صاحب کے پیٹ میں درد ہو سکتا ہے۔

خان صاحب: اور وہ لڑکا جو گاجر کھا رہا تھا.... اس کے پیٹ میں درد نہیں ہو سکتا۔

ماسٹر صاحب: جی وہ تو.... گاجریں کھانے کا عادی ہے۔

خان صاحب: اس کا معدہ لوہے کا ہے اور انجم کا معدہ بڑا نازک ہے۔ کیوں ماسٹر صاحب! شاید آپ نے....

(خان صاحب خاص نظروں سے ماسٹر صاحب کو دیکھتے ہیں۔)

ماسٹر صاحب: جی.... ارشاد

خان صاحب: اس بے چارے لڑکے کو پیٹ کر بڑی زیادتی کی ہے۔

(ماسٹر صاحب حیرت زدہ نظروں سے خان صاحب کو دیکھنے لگتے ہیں۔)

ماسٹر صاحب: اس نے بدتمیزی کی تھی۔

خان صاحب: ماسٹر صاحب! آپ میری حیثیت سے واقف ہیں۔

ماسٹر صاحب: کیوں نہیں.... آپ ہمارے ملک کے بڑے صنعت کار ہیں۔

خان صاحب: میں اپنے بچّے کو بہتر سے

بہتر اسکول میں داخل کرا سکتا تھا۔

ماسٹر صاحب: جی۔

خان صاحب: میں نے اسے ایک بڑے ہی عام اسکول میں داخل کر دیا ہے۔

ماسٹر صاحب: آپ کی بڑی مہربانی۔

خان صاحب: کوئی مہربانی وانی نہیں۔ میرا بچہ یورپ کے اسکولوں میں پڑھتا تھا تو وہاں کے لڑکے اسے غیر سمجھتے تھے۔ اب وہ اپنے وطن میں آیا ہے تو اس کے ساتھ ایسا سلوک ہو رہا ہے کہ وہ اپنے ساتھیوں کو غیر سمجھے۔ اور یوں اس کے اور باقی لڑکوں کے درمیان ایک دیوار کھڑی ہو جائے اور ایسی دیواریں والدین اور آپ لوگ کھڑی کرتے ہیں۔ سمجھ رہے ہیں آپ؟

ماسٹر صاحب: جی۔

خان صاحب: میں نے اپنے بچے کو صرف اس لیے اس اسکول میں داخل کر دیا ہے کہ وہ بڑا ہو کر ملک کے عوام کو اپنا ساتھی سمجھے۔ ان سے الگ تھلگ نہ ہو۔ مہربانی کر کے میرے بچے کو باقی تمام بچوں کی طرح ایک پاکستانی بچہ بننے دیں۔ اسے دوسرے بچوں سے الگ اور ممتاز بننے کی ترغیب نہ دیں۔

(ماسٹر صاحب سر جھکائے سُن رہے ہیں اور پردہ گرتا ہے۔)

پہلے منظر کے واقعے کو گزرے ہوئے پندرہ روز بیت گئے ہیں۔

دوسرے منظر کا پردہ اُٹھتا ہے تو ہم اسٹیج پر وہی جگہ دیکھتے ہیں جو پہلے منظر میں دکھائی گئی تھی۔

پردہ اُٹھتا ہے تو کچھ دُور اسکول کی گھنٹی بج رہی ہے۔ حمید، شفیع، افضل، رؤف اور سرفراز آتے ہیں۔

شفیع گھاس کے اوپر اخبار کا ایک ورق بچھا دیتا ہے۔

حمید: نکالو اپنی چیزیں۔

(لڑکے جیبوں میں ہاتھ ڈال کر گاجریں، مولیاں، سنترے، کھٹی میٹھی گولیاں، بسکٹ وغیرہ نکالتے ہیں اور اخبار کے ورق پر ڈھیر کر دیتے ہیں اور خود نصف دائرے کی شکل میں بیٹھ جاتے ہیں۔)

شفیع: کیا آج بھی شہزادہ نہیں آئے گا؟

رؤف: شہزادے نے کتنی بار کہا ہے کہ مجھے شہزادہ نہ کہا کرو۔

حمید: اس کا نام انجم ہے۔

رؤف: انجم کہو۔

افضل: اب تو وہ شہزادہ نہیں ہے۔ ہمارے ساتھ ہماری طرح باتیں کرتا ہے۔ کھیلتا ہے۔ کھاتا پیتا ہے۔

حمید: ہمارے تانگے میں بھی بیٹھا تھا اور

بڑا خوش ہوا تھا۔

سرفراز: پر وہ آ کیوں نہیں رہا رؤف؟"

رؤف: ہو سکتا ہے باہر چلا گیا ہو۔

سرفراز: باہر کہاں؟

رؤف: امریکا، چین، جاپان میں۔ اُس کے لیے باہر جانا مشکل کیا ہے؟

سرفراز: باہر جانا ہوتا تو ہمیں ضرور بتاتا۔

رؤف: ہاں ضرور بتاتا۔ سرفراز ٹھیک کہتا ہے۔

افضل: تو وہ اسکول میں آ کیوں نہیں رہا۔

حمید: افضل! تم دو دن اسکول نہیں آئے تھے تو میں اور شفیع تمھارے گھر گئے تھے۔ یاد ہے نا۔

شفیع: ہمیں بھی اس کے گھر جانا چاہیے۔

افضل: پر اس کا گھر ہے کہاں؟

رؤف: بڑی دُور ہے۔ کہتا تھا کسی روز میں سب کو اپنی کوٹھی میں لے جاؤں گا۔

(ماسٹر صاحب آتے ہیں۔ سب لڑکے کھڑے ہو جاتے ہیں۔)

ماسٹر صاحب: لڑکو!

سب لڑکے: جی۔

ماسٹر صاحب: بیٹھ جاؤ۔

(لڑکے بیٹھ جاتے ہیں۔ ماسٹر صاحب ان کی چیزوں پر نظر ڈالتے ہیں۔

ماسٹر صاحب: یہ کیا! ویسی کی ویسی چیزیں پڑی ہیں۔ کھاتے کیوں نہیں؟

(ماسٹر صاحب آگے بڑھ کر دو تین سنترے اُٹھا لیتے ہیں۔)

ماسٹر صاحب: میٹھے ہیں کہ کھٹے؟

شفیع: میٹھے ہوں گے۔ میں نے ابھی نہیں چکھا۔

ماسٹر صاحب: کیوں؟

شفیع: ماسٹر جی! وہ اسکول نہیں آرہا۔

ماسٹر صاحب: کون؟

شفیع: شہزادہ .... نہ .... نہ انجم۔

ماسٹر صاحب: تمھیں پتا نہیں کہ وہ بیمار ہے.....

سب لڑکے: (ایک ساتھ) بیمار؟

ماسٹر صاحب: ہاں، ٹھیک ہو گا تو آئے گا۔

رؤف: ماسٹر جی، اس کا گھر کہاں ہے؟

ماسٹر صاحب: تم کیسے اس کے گھر جاؤ گے بہت دُور ہے۔

سرفراز: ہم چلے جائیں گے جناب۔

ماسٹر صاحب: نہیں جا سکتے۔

(کسی قدر زور سے موٹر کے ہارن کی آواز آتی ہے۔ سب لڑکے اِدھر دیکھنے لگتے ہیں جدھر سے آواز آتی ہے۔

دو تین لمحے گزر جاتے ہیں۔
خان صاحب اور نوکر آتے ہیں۔ لڑکے انھیں آتا ہوا دیکھ کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔
ماسٹر صاحب تیزی سے خان صاحب کی طرف جانے لگتے ہیں۔)
خان صاحب: ماسٹر صاحب! انجم ادھر آیا ہے۔
ماسٹر صاحب: نہیں خان صاحب۔
خان صاحب: کہاں چلا گیا ہے؟
ماسٹر صاحب: ہوا کیا ہے خان صاحب؟
(لڑکے ان کے قریب آکر مؤدبانہ انداز میں کھڑے ہو جاتے ہیں۔)
خان صاحب: صبح سے بڑا اُداس لگتا تھا۔ باہر نکلنے کے لیے ضد کر رہا تھا۔ ڈاکٹر نے مکمل آرام کا مشورہ دیا ہے۔ اسے کمرے سے باہر جانے سے روکتے تھے۔
ماسٹر صاحب: تو پھر؟
خان صاحب: کہنے لگا میں نیچے ٹہلتا ہوں۔ نیچے چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد دیکھا تو باغیچے میں نہیں تھا۔
ماسٹر صاحب: ادھر اُدھر چلا گیا ہو گا۔
خان صاحب: تلاش کی ہے نہیں ملا۔ سوچا ممکن ہے ادھر آ گیا ہو۔
ماسٹر صاحب: ادھر تو نہیں آیا خان صاحب۔
خان صاحب: اچھا۔ دیکھتے ہیں کہاں چلا گیا ہے۔
ماسٹر صاحب: خدا خیر کرے۔
(خان صاحب نوکر کے ساتھ جاتے ہیں۔ ماسٹر صاحب بھی ان کے پیچھے چلے جاتے ہیں۔ لڑکے پریشان دکھائی دینے لگتے ہیں۔)
رؤف: انجم گیا کہاں ہے؟
شفیع: پتا نہیں۔
سرفراز: یہ تو بہت بُرا ہوا۔ بیمار بھی ہے۔
افضل: خان صاحب بڑے پریشان ہیں۔
حمید: بڑی پریشانی کی بات ہے۔
رؤف: حمید! ہم اُسے ڈھونڈتے ہیں۔
حمید: کہاں ڈھونڈیں گے۔ کیا پتا کہاں گیا ہے؟
افضل: (دُعا مانگنے کے انداز میں) یا اللہ ہمارا انجم مل جائے۔
(اچانک ایک طرف سے انجم آتا ہے۔ سب "انجم" کہہ کر اس کی طرف بھاگتے ہیں۔)
حمید: یار انجم! تُو کہاں چلا گیا تھا؟
رؤف: تیرے ابّا جی ابھی ابھی آئے تھے۔ کہتے تھے انجم گھر سے غائب ہے۔
انجم: میں یہاں آنا چاہتا تھا۔
رؤف: اپنے ابّا جان سے کہہ دیتے۔
انجم: ڈاکٹر نے کہا تھا یہ بالکل آرام کرے۔

حمید : اب کیسے ہو ؟

انجم : اب میں بالکل ٹھیک ہوں ۔

(موٹر کے ہارن کی آواز آتی ہے ۔ لڑکے ادھر دیکھتے ہیں ۔ خان صاحب اور نوکر آتے ہیں ۔ خان صاحب جلدی سے آگے آکر انجم کو لپٹا لیتے ہیں ۔)

خان صاحب : بیٹا انجم ! تم نے کمال کر دیا ہے ۔

انجم : ڈیڈی میں اپنے دوستوں کے بغیر اُداس ہو گیا تھا ۔

حمید : ہم بھی بڑے اُداس ہو گئے تھے ۔

(خان صاحب مسکراتے ہیں ۔)

خان صاحب : تو چلو اب ۔ دوستوں سے ملاقات ہو گئی ہے ۔

انجم : نہیں ڈیڈی ....

خان صاحب : دیکھو انجم بیٹا ! بیمار ہو ۔

انجم : میں بالکل ٹھیک ہو گیا ہوں ڈیڈی ۔ چھٹی کے وقت جاؤں گا ۔

(لڑکے انجم کو ساتھ لیے ادھر بیٹھ جاتے ہیں جہاں اخباری کاغذ پر ان کے کھانے کی چیزیں پڑی ہیں ۔ ماسٹر صاحب آتے ہیں ۔ خان صاحب ان کی طرف دیکھتے ہیں ۔ ماسٹر صاحب خان صاحب کے پاس آجاتے ہیں ۔)

خان صاحب : ماسٹر صاحب !

ماسٹر صاحب : جی خان صاحب !

خان صاحب : آپ دیکھ رہے ہیں ان بچوں کی محبت ۔ کیا یہ کہہ نہیں رہے ہیں ۔ ہم سب بچے ایک ہیں ۔

ماسٹر صاحب : کہہ رہے ہیں ۔

خان صاحب : اللہ کرے پاکستان کے سارے بچے ایک دوسرے سے اسی طرح محبت کریں ۔ بڑے ہو کر بھی ان کی محبت اسی طرح قائم رہے ۔ ایسا ہو جائے تو کتنا اچھا ہو ۔

(ماسٹر صاحب اثبات میں سر ہلاتے ہیں ۔ پردہ گرتا ہے ۔)

الگ الگ

بعض نونہال مختلف تحریریں ایک ہی کاغذ پر لکھ کر بھیج دیتے ہیں ، ایسا نہیں کرنا چاہیے ۔ ہر تحریر مثلاً سوال ، تحفے ، کہانی ، بزم کے لیے خط ، غرض ہر چیز الگ الگ کاغذ پر لکھنی چاہیے اور کاغذ کی صرف ایک طرف ۔ البتہ ایک لفافے میں آپ بہت سے کاغذ رکھ کر بھیج سکتے ہیں ۔

میں پانی کی ایک بوند ہوں

محمد اعزاز الدین

میں پانی کی ایک بوند ہوں۔ سائنس کے ماہر کہتے ہیں کہ زمین کی پیدائش کے ساتھ ہی مختلف گیسیں وجود میں آئیں اور انھیں گیسوں کے امتزاج سے پانی کا سیال مرکّب پیدا ہوا۔ ضرور ایسا ہی ہوا ہوگا، مگر میں تو پانی کی ایک بوند ہوں۔ مجھے پیدائش اور موت کے بارے میں اتنا نہیں سوچنا چاہیے۔ ہاں مجھ پر جو گزرتی ہے میں وہ ضرور سناؤں گی۔ میں اپنی لاتعداد سہیلیوں کے ساتھ سمندر کی لہروں پر جھولا جھولتی تھی۔ کبھی سمندر کی گہرائیوں میں سیپیوں، رنگ برنگے سنگ ریزوں اور قوس قزح جیسے رنگوں والے سمندری پودوں کے درمیان اپنی سہیلیوں کے ساتھ آنکھ مچولی کھیلتی تھی۔ مچھلیاں ہمیں منھ میں بھر لیتیں۔ میں اور میری سہیلیاں مچھلی کے گلپھڑوں سے باہر نکل آتیں، مگر ہمارے ساتھ ہی چھوٹی مچھلیاں اور دوسرے کیڑے مکوڑے جو مچھلی کے منھ میں چلے جاتے تھے۔ وہیں رہ جاتے اور مچھلی کی غذا بن جاتے۔

ایک دفعہ ایک بڑی لہر نے مجھے سمندر کی سطح پر اُچھال دیا۔ میں سمندر کے وسیع نیلی چادر پر لیٹی نیلے آسمان کو تکنے لگی۔ آسمان بھی نیلا تھا اور سمندر کی طرح پھیلا ہوا۔ آسمان مجھے بڑا مانوس سا لگا۔ میں نے سوچا کاش میں بھی اس اوپر والے دیس کی سیر کو جاسکتی۔ خدا کرے میرے بھی پَر نکل آئیں اور میں اُڑ کر اس نیلے دیس کی یاترا کو نکل پڑوں۔ مگر میں تو نمکین پانی کا حقیر قطرہ تھی۔ میری سوچ کتنی احمقانہ تھی۔ میں مایوس ہو کر سمندر کی گہرائی میں اُتر جانے والی لہر پر سوار ہو گئی تاکہ سمندر کی تہ کے جھل ملے اندھیروں میں رنگ برنگی سیپیوں اور سنگ ریزوں سے دل بہلاؤں مگر کچھ دُور پر ہی ایک بڑی مچھلی نے منھ کھولا اور میں شڑپ سے اندر چلی گئی۔ مچھلی سے مجھے کیا خطرہ تھا میں نے سوچا مچھلی مجھے کھاتی نہیں ہے۔ مچھلی مجھے کوئی گزند نہیں پہنچاتی۔ وہ تو ایک طرح سے

میری دوست ہی ہے۔ دوستوں کو اپنی مشکلات سنانے کا کم از کم ایک بڑا فائدہ یہ ہے کہ دل کا بوجھ ہلکا ہو جاتا ہے۔

میں نے کہا، "مچھلی رانی! میں نے سمندر کی اونچی لہروں پر جھولتے ہوئے ایک نیلے دیس کو دُور سے دیکھا ہے۔ مجھے اس دیس کی یاترا کا بڑا ارمان ہے۔ میری اس خواہش کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کا کوئی وسیلہ نہیں۔ میں مایوس ہو چکی ہوں۔" مچھلی رانی یہ سُن کر ہنس پڑی۔ اس کے منھ میں بھرا ہوا پانی گلپھڑوں سے باہر اُبل پڑا اور میں باہر آگئی۔ مچھلی شاید کچھ کہنے والی تھی۔ میں اس کے قریب کھسک آئی۔ مچھلی رانی بولی، "اے پانی کی ننھّی بوند! تُو بڑے نصیبوں والی ہے۔ خدا نے تجھے بڑی صلاحیتوں سے نوازا ہے۔ تجھ میں بے پناہ طاقت پوشیدہ ہے۔ تُو دل میلا نہ کر۔ نیلے گگن کی سیر کم از کم تیرے لیے کوئی بڑی بات نہیں۔ تُو بڑی آسانی سے وہاں کے سفر پر جا سکتی ہے۔ سمندر کی اوپری سطح پر تھوڑی گرمی برداشت کرنی پڑے گی اور بس۔"

میں یہ سُن کر بہت خوش ہوئی اور مچھلی رانی کی پوری بات سُنے بغیر اُچھل کر اوپر

ابھرنے والی لہر پر سوار ہو کر پلک جھپکتے اوپر آگئی، جہاں سورج کی روشنی تھی اور اوپر میرے خوابوں کا نیلا دیس پھیلا ہوا تھا۔ نیچے جانے والی لہر نے مجھے پکارا، "ننھی بوند! کیا آج گہرے سمندر کے ملگجے اجالوں کی سیر کو نہیں چلو گی؟" میں نے کچھ جواب نہیں دیا، کیوں کہ میں نے سُنا ہی نہیں کہ اُس نے کیا کہا۔ میں تو دھوپ میں لیٹی نیلے گگن کو بالکل محو ہو کر دیکھ رہی تھی۔

ابھی چند لمحے ہی گزرے ہوں گے کہ میں نے اپنے اندر عجیب سی تبدیلی محسوس کی۔ میرے وجود میں گھلا ہوا نمک نیچے سرکنے لگا۔ سورج کی گرمی سے میں اور ہلکی ہو گئی۔ مجھے لگا جیسے میرے پَر نکل آئے ہوں۔ میں اُڑنے لگی ہوں اور واقعی میں ہوا کے سہارے سورج کی کرنوں پر سوار ہو کر اُوپر اُٹھنے لگی۔ اب میں پانی کی ننھی سی بوند نہیں رہی تھی۔ میں بھاپ بن کر اُڑنے لگی تھی۔ میں اور اونچی اور اونچی ہو گئی۔ ہوا کا بہاؤ مجھے ایک سمت لے چلا۔ میری نظریں اب بھی آسمان پر جمی تھیں۔ وہی سمندر جیسا، نیلا ہر طرف ایک ہی جیسا۔ کیا بوریت ہے بھئی۔ جدھر دیکھو وہی نیلی نیلی اُکتا دینے والی وسعتیں۔ نیچے نظر ڈالی تو سمندر غائب۔ میرے ہوش اُڑ گئے۔ بارے بہت دُور چاندی کے پہاڑ چمک رہے تھے۔ ہوا کی لہروں نے میری اُکتاہٹ محسوس کر لی اور بولی، "ننھی بوند سے بنی بھاپ، بد دل مت ہو۔ چلو تمھیں چاندی کے دیس کی سیر کرا دوں۔" میں نے کہا، "خدا تمھیں جزائے خیر دے۔ تم نے میرے دل کی بات بُوجھ لی۔ چلو میں تمھارے ساتھ ہوں۔" اور ہوا کی اُنگلی تھامے میں اُن اونچائیوں کی طرف اُڑنے لگی جو کبھی روئی کا ڈھیر معلوم ہوتیں اور کبھی چاندی کا پہاڑ۔

جُوں جُوں ہم قریب ہوتے گئے موسم بدلنا شروع ہو گیا۔ ایک جگہ میری بہت سی سہیلیاں سیاہ بدلیوں کے سامنے رنگ برنگی قوسِ قزح بنائے کھڑی تھیں۔ میں نے سمجھا کہ میرے لیے استقبالی محراب بنائی گئی ہے۔ مجھے ٹھٹھکتا دیکھ کر ہوا کی لہر مسکرائی اور بولی، "یہ سورج اور کالے بادلوں سے آنکھ مچولی کھیل کر خوش ہو رہی ہیں۔ یہ محراب وحراب نہیں۔ لاتعداد پانی کی ننّھی بوندوں کی مُسکراہٹ ہے، جسے سورج کی روشنی نے رنگ برنگا کر دیا ہے۔ ٹھیرو نہیں، میرے سہارے آگے بڑھو۔"

اب میں چاندی کے پہاڑ سے نزدیک ہوتی جا رہی تھی۔ یہ دیس عجیب تھا۔ موسم بدل گیا۔ سردی محسوس ہونے لگی اور زیادہ خنکی بڑھی تو میں نے ہوا کی لہر سے کہا، "یہ سردی تو میری جان لے لے گی۔ معلوم ہوتا ہے مجھے موت ہی یہاں گھسیٹ لائی ہے۔"
ہوا نے ایک بار پھر میری ہمت بندھائی اور بولی، "تم بالکل فکر نہ کرو۔ تمھیں خدا نے دنیا میں زندگی قائم رکھنے کے لیے بھیجا ہے۔ تمھیں موت کا ڈر کیسا؟ تم کچھ دیر پہلے پانی کا ایک قطرہ تھیں، اب بھاپ بن گئی ہو۔ ابھی تمھیں کئی روپ بدلنے ہیں۔ اگر تم صبر نہیں کرو گی تو پانی کی بوند بن کر خشکی میں ٹپک پڑو گی اور چاندی کے دیس کا ارمان دل میں ہی رہ جائے گا۔ ضبط سے کام لو۔ ہم جلد ہی چاندی کے دیس پہنچنے والے ہیں۔" چند لمحوں بعد ہی میں خود کو بوجھل محسوس کرنے لگی۔ سردی اور شدید ہو گئی۔ ہوا کی لہریں بھی اور زور دار ہو گئیں۔ سوچنے سمجھنے کی صلاحیت جواب دے گئی۔ مجھے یاد نہیں کہ میں بوجھل ہو کر کب شفاف پانی کی بوند بنی اور کب برف کی سفید قلم میں ڈھل گئی۔ ہوا بھی میرا وزن اب زیادہ دیر نہ برداشت کر سکی اور ایک جھٹکے سے مجھے چاندی کے پہاڑ پر پٹک دیا۔

اب میں نے دیکھا کہ یہ چاندی نہ تھی، پہاڑ پر شفاف برف کی موٹی تہ تھی جو سورج کی روشنی میں چاندی کی طرح چمک رہی تھی۔ میں ایک چوٹی پر ٹک گئی اور اپنے لاتعداد ساتھیوں سے جو پہلے یہاں آ کر اُترے تھے گپ شپ کرنے لگی۔ ایک ہم سفر جو زیادہ اونچائی پر بستر لگائے بیٹھی تھی بولی، "میرا ٹھکانا پہاڑ کی چوٹی نہیں بلکہ ایک درخت کی شاخ ہے۔" اور یہ شاخ برف کی موٹی ہوتی ہوئی تہ کا وزن نہیں سنبھال پا رہی تھی اور نیچے ہوتے ہوتے ٹوٹنے کے قریب تھی۔ اتنے میں وہ شاخ ٹوٹ گئی اور کچھ دیر پہلے مجھ سے بات کرنے والی نیچے گرنے لگی۔ اس نے ہاتھ اُٹھا کر مجھے الوداع کہا اور بولی، "پھر ملیں گے۔" اور وہ پہاڑ کی ڈھلان پر لڑھکتی دُور نشیب میں چلی گئی۔

جس چٹان پر میرا پڑاؤ تھا اُس میں اور پہاڑ کی دوسری بلند چوٹی میں تھوڑا فاصلہ تھا۔ درمیان میں ایک چھوٹی سی ندی بہا کرتی تھی مگر اب برف نے یعنی میری سہیلیوں نے اس کا راستہ بند کر دیا۔ پہاڑوں سے آنے والا پانی بھی اونچا ہو کر برف بن گیا۔ برف

کا حجم زیادہ ہوتا ہے نا۔ اس لیے دونوں چوٹیوں پر زور پڑا۔ یہ زور مزید برف پڑ جانے سے اور بڑھا۔ میں نے خدا کی دی ہوئی صلاحیتوں پر خدا کا شکر ادا کیا کہ پانی کتنا نرم ہے۔ جس برتن میں ڈالو اُسی برتن میں ڈھل جائے گا۔ گول برتن میں ڈالو تو گول معلوم ہوگا، چوکور برتن میں ڈالو تو چوکور شکل اختیار کرے گا۔ سورج کی مدد سے بھاپ بن جائے گا، پھر ٹھنڈا ہو کر پانی بنے گا۔ کھیتوں کو سیراب کرے گا۔ زیادہ ٹھنڈا ہوا تو اولا یا برف بنے گا۔ جمتا چلا جائے گا گویا بے جان ہو گیا مگر خدا کی دی ہوئی طاقت کا کمال کہیے کہ پہاڑ برف کا زور برداشت نہ کر سکا۔ دوسری چوٹی بڑی اور مضبوط تھی۔ میرے پڑاؤ والی چوٹی لرزنے لگی اور کچھ دیر بعد چٹخ گئی۔ میں نے پانی کی موجودہ شکل یعنی برف کی طاقت کو آفرین کہا کہ آخر پانی جیسی نرم چیز نے پہاڑ جیسی سخت چیز کو توڑ پھوڑ کر رکھ دیا۔

میں نے دُور ٹکے ہوئے ساتھیوں کو دعوت دی کہ پانی کے ہاتھوں پہاڑ کی شکست کا نظارہ کریں، مگر وہ اپنی جگہ سے ہلے بھی نہیں۔ شاید قدرت نے انھیں کوئی دوسرا فرض سونپ رکھا تھا۔ میرے مزید ساتھی برف بن بن کر میرے اطراف میں جمع ہو رہے تھے۔ برف کی تہ موٹی ہوتی جا رہی تھی۔ میری والی چٹان پر بھی دباؤ بڑھ رہا تھا۔ میں خود برف کی گرنے والی نئی قلموں تلے دب کر رہ گئی تھی۔ میری سیلانی طبیعت مجھے رہ رہ کر اُکسا رہی تھی۔ میں دعا مانگ رہی تھی کہ خُدایا، مجھے اس گُھٹن سے نکال کر باہر کی سیر کا موقع عنایت فرما۔ یکایک چٹان نے ایک کروٹ لی اور زمین سے اپنا پاؤں نکال کر نشیب میں سجدہ ریز ہو گئی۔ میرا بستر بھی دُور جا گرا اور لڑھکتا چلا گیا۔ یہاں ایک چشمہ پہلے ہی رواں تھا۔ چشمے کے پانی کی گنگناتی بوندوں نے مجھے پہچاننے سے انکار کر دیا۔ میں ان جیسی نہیں تھی نا۔ میری شکل و صورت ہی دوسری تھی۔ پھر بھی میں بہتی گاتی ندی پر سوار اگلے سفر پر روانہ ہو گئی۔ یہاں موسم پھر بدلنے لگا۔ کچھ گرمی سی محسوس ہوئی۔ نہیں یہ پسینا نہیں تھا۔ میں پھر ایک بار پانی کی بوند بن گئی تھی۔ اب ندی کی بوندوں نے مجھے پہچانا اور بے اختیار گلے لگا لیا۔ میرا سفر ابھی جاری ہے۔ ندی میں بہنے والی سہیلیوں سے گپ شپ کر لوں تو اگلی روداد بیان کروں گی، ان شاء اللہ۔

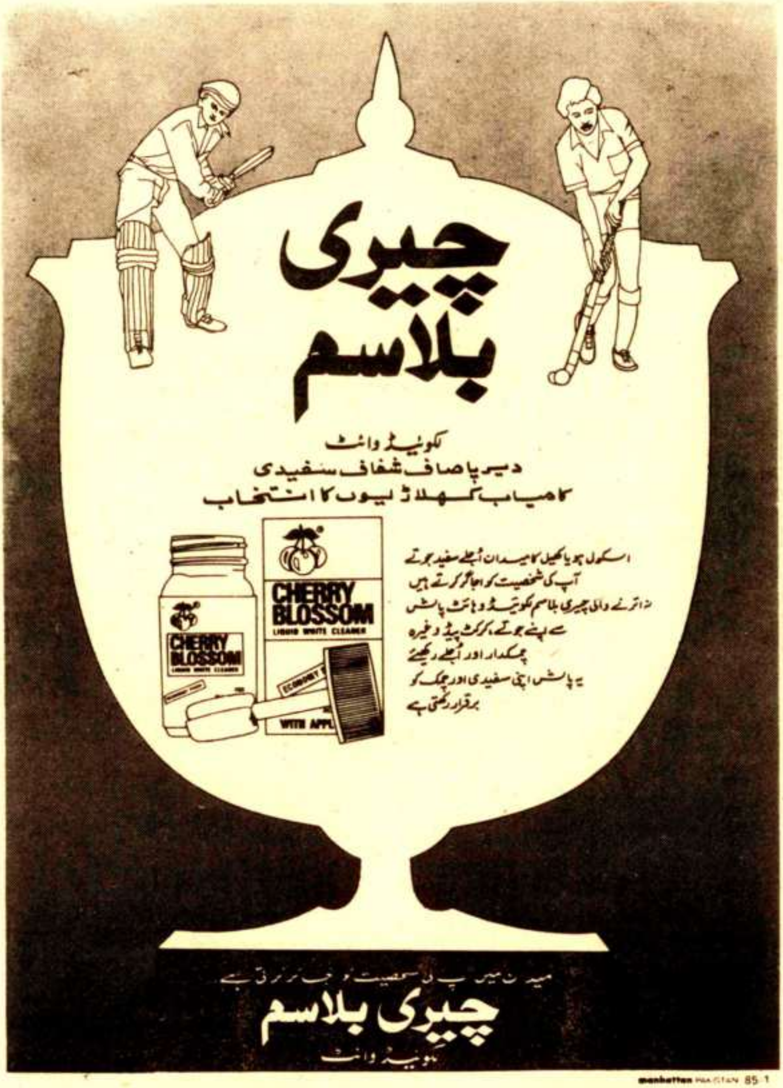

manhattan PAKISTAN 85-1

پیشاب کی شکایت

س: میرے چھوٹے بھائی کو، جس کی عمر چودہ سال ہے، پیشاب کی شکایت ہے، اُسے دن کو پیشاب اتنا نہیں آتا جتنا رات کو آتا ہے۔ وہ کبھی کبھی بستر پر بھی پیشاب کر دیتا ہے۔

جاوید احمد، سکھر

ج: ہو سکتا ہے کہ چھوٹے بھائی صاحب نے اپنے پیٹ میں لمبے لمبے کیڑے پال رکھے ہوں! وہ ضرور زیادہ میٹھا کھاتے ہوں گے اور کھانے پینے میں غیر محتاط ہوں گے۔ مناسب ہے کہ کسی مناسب دوا سے پیٹ کو صاف کر لیا جائے، تاکہ کیڑے ہوں تو وہ آنت بدر ہو جائیں۔ اس سے بستر میں پیشاب کر دینے کا سلسلہ ختم ہو جائے گا۔ بستر میں پیشاب کرنا (بول فی الفراش) ایک قسم کا ذہنی مسئلہ بھی ہے۔ ممکن ہے کہ بھائی صاحب کے ذہن میں اور ان کے لاشعور میں کوئی ایسی بات بیٹھ گئی ہو کہ جو اُن کو انتقام پر آمادہ کر دیتی ہو۔ ہاں ایسا خرابیِ صحت کی وجہ سے بھی ہو سکتا ہے۔ میری رائے ہے کہ ان کو مقویِ دماغ چیزیں استعمال کرنی چاہییں۔ ان میں بادام سب سے اچھے ہیں ورنہ خمیرہ ہمدرد ان کے لیے اچھا رہے گا۔ رات سوتے وقت بھائی صاحب کو معجون کندر ۶ گرام کھلائیے۔

کیل اور دہاسے

س: میری عمر بارہ سال ہے۔ میرے چہرے پر کیل اور دہاسے ہیں، ہر قسم کی دوائیں استعمال کیں، لیکن مستقل فائدہ نہیں ہوا۔ ان دواؤں کے استعمال سے کیل اور دہاسے عارضی طور

پر مِٹ جاتے ہیں، لیکن چند دِنوں کے بعد پھر نکل آتے ہیں۔ جِنا عمر، کراچی

ج : بچیوں کے جسم کے اندرونی نظام میں عمر کے بڑھنے سے تبدیلیاں آیا کرتی ہیں۔ ان فطری تبدیلیوں کی وجہ سے بعض اوقات اُن کا اثر چہرے کی جلد پر ظاہر ہوتا ہے۔ بعض اوقات سال دو سال بعد خود بہ خود یہ کیل مہاسے غائب ہو جاتے ہیں، مگر بعض بچیوں (اور بچّوں) میں یہ بہت دِنوں تک بھی رہ جاتے ہیں۔ واقعی ان سے تکلیف تو ہوتی ہے۔ ذہنی تکلیف بھی ہوتی ہے کہ چہرے پر نشانات پڑ جاتے ہیں۔

آلو بخارا ۳ دانے، گل منڈی ۳ گرام، سونف ۶ گرام۔ ان تینوں کو ایک گلاس پانی میں جوش دیں۔ پھر چھان لیں۔ صبح نہار منھ دو تین ہفتے یہ نباتی دوا پی لیں۔ اس سے فائدہ ہو گا۔

کیل مہاسوں پر لگانے کے لیے دہی کی بالائی ایک اچھی چیز ہے۔

آنکھوں کے سامنے اندھیرا

س: میں جب بھی دھوپ میں کہانی یا رسالہ وغیرہ پڑھتا ہوں اور پڑھ کر کمرے میں جاتا ہوں تو مجھے کچھ دکھائی نہیں دیتا اور میں جب پنسل کو دیکھتا ہوں تو میری آنکھ میں درد ہونے لگتا ہے۔ پرتاب رائے، بنوعاقل

ج : رائے صاحب، یہ تو کوئی مرض نہیں ہوا۔ تیز روشنی میں رہ کر جب بھی سائے میں جائیں گے تو آنکھوں کو اور روشنی سے سُکڑتی ہوئی پتلی کو نئے ماحول میں ڈھلنے میں ایسا ہی ہوتا ہے۔ ایسا تو سب کو ہوتا ہے۔ اب رہا یہ کہ جب آپ پنسل دیکھتے ہیں تو آنکھ میں درد ہونے لگتا ہے۔ بھئی کون سی آنکھ میں درد ہوتا ہے۔ اچھا بھائی، پنسل دیکھنا چھوڑ دو، بال پین دیکھ لیا کرو، فاؤنٹین پین دیکھ لیا کرو۔

بلغم کی بیماری

س: میری عمر ۱۰ سال ہے۔ مجھے بلغم کی بیماری تقریباً دو سال سے ہے۔ مہربانی کر کے کوئی علاج بتائیے۔ سلیم احمد سومرو، سکھر

ج : بلغم ہمارے جسم کی ایک رطوبت ہے اور اس سے ایک کیا درجنوں مرض پیدا ہو سکتے ہیں۔ اب نہ جانے آپ کو بلغم کی کون سی بیماری ہے۔ پیارے بچّو! تم کہاں بلغم، صفرا،

سودا میں پڑ گئے، اسے بھول جاؤ۔ محنت کرو۔ دوڑ بھاگ کرو۔ دل لگا کر پڑھو۔ جب بڑے ہو جاؤ تو پھر طب پڑھ لینا اور دوسروں کی خدمت کرنا۔

میرا قد نہیں بڑھتا

س: میری عمر ۱۲ سال ہے۔ میں ایک سال سے قد بڑھانے کی کوشش کر رہا ہوں، لیکن میرا قد نہیں بڑھا۔ مناسب مشورہ دیجیے۔ ایس۔ ایم۔ عادل، کراچی

ج: ہمارے بہت سے نونہالوں کو قد بڑھانے کی فکر نے ستا رکھا ہے، دیکھو بچو! قد کا اونچا ہونا یا پست ہونا ایک پیدائشی مسئلہ ہے۔ اب جو ہونا تھا وہ ہو گیا، اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ قد بڑھانے کی کوشش کامیاب نہیں ہو سکتی۔ آپ یہ خیال چھوڑ دیں اور اپنے علم و فضل کو اتنا بڑھائیں کہ لوگ آپ کی بلندی کے قائل ہو جائیں۔ دنیا میں جن انسانوں نے عظیم کارنامے سر انجام دیے ہیں اُن میں سب کے سب دراز قامت نہ تھے، پستہ قد بھی تھے! مگر اُن کے عظیم کاموں نے اُن کو قد آور بنا دیا!

یادداشت کم زور ہے

س: میری یادداشت بہت کم زور ہے، استاد جو کچھ بتاتے ہیں میں بھول جاتا ہوں۔ یادداشت بہتر بنانے کا طریقہ بتائیے۔ سید شیدائے رضا، ٹھری میرواہ

ج: اپنے ذہن کو یاد رکھنے کا کرتب سکھانا سب سے اہم نسخہ ہے۔ آپ اس کی کوشش کریں کہ اپنے ذہن کو پوری طرح استعمال کریں۔ دل چسپی سب سے اہم نکتہ ہے۔ آپ کا ذہن ان چیزوں کو محفوظ رکھ سکتا ہے، جس سے آپ نے دل چسپی لی ہو۔ اگر کسی شے سے دل چسپی نہیں ہو گی تو ذہن اُسے محفوظ نہیں رکھتا۔ اگر آپ اپنے استاد کا احترام کریں اور استاد آپ کو سکھانے پڑھانے میں جو محنت کرتے ہیں آپ اس کی داد دیں تو کوئی وجہ نہیں کہ آپ کا ذہن استاد کی بتائی ہوئی باتیں یاد نہ رکھ سکے۔ آخر کھانا کھانا آپ کیوں نہیں بھولتے؟

کرکٹ کے آسماں کے دو نئے ستارے

ساجد علی ساجد

پاکستانی کرکٹ ٹیم نے پچھلے دنوں نیوزی لینڈ کا دورہ کیا۔ اوسٹریلیا میں ورلڈ کرکٹ چیمپئن شپ کھیلی اور پھر شارجہ میں چار قومی کرکٹ ٹورنامنٹ کھیلا۔ ان میں سے نیوزی لینڈ اور اوسٹریلیا کے دورے اس لحاظ سے بے حد کام یاب رہے کہ پاکستان کو نوعمر کھلاڑیوں میں سے ایک بیٹس مین اور ایک باؤلر مل گیا۔ یہ بیٹس مین رمیز راجا اور بولر وسیم اکرم تھے۔

ان دونوں کھلاڑیوں نے اپنی اچھی کارکردگی اور صلاحیت سے قومی کرکٹ ٹیم میں مستقل جگہ بنا لی ہے۔ اب ہم آپ کو ان دونوں کے بارے میں بتانا چاہتے ہیں۔

وسیم اکرم

رمیز راجا

رمیز راجا کے خاندان کو بلاشبہ کرکٹ کھیلنے والا خاندان کہا جا سکتا ہے۔ ان کے والد راجا سلیم اختر ایک سرکاری افسر ہیں۔ انھوں نے ۱۹۵۰ء میں فرسٹ کلاس کرکٹ کھیلی تھی، لیکن رمیز کے دل میں ٹیسٹ کرکٹر بننے کا شوق اور جذبہ اپنے بڑے بھائی وسیم راجا کی وجہ سے پیدا ہوا۔ رمیز ابھی بہ مشکل دس سال کے تھے کہ ان کے بڑے بھائی وسیم راجا ایک ممتاز ٹیسٹ کرکٹر بن گئے تھے۔

رمیز راجا ۱۴۔ جولائی ۱۹۶۲ء کو فیصل آباد میں پیدا ہوئے۔ ڈھنگ کی کرکٹ سولہ سال کی عمر میں شروع کی۔ جب وہ ۷۹-۱۹۷۸ء میں مقامی کرکٹ سیزن میں لاہور کی طرف سے کھیلے۔ جلد ہی انھوں نے پاکستان کی اُنیس سال تک کے کھلاڑیوں کی ٹیم میں شامل ہو کر سری لنکا کا دورہ کیا۔ پھر ۸۱-۱۹۸۰ء میں انھوں نے اوسٹریلین جونیئر ٹیم کے خلاف پاکستان کی ۱۹ سال سے کم عمر کرکٹ ٹیم کی کپتانی کی۔

۸۴-۱۹۸۳ء کے کرکٹ سیزن کو ہم رمیز راجا کا سب سے کام یاب سیزن قرار دے سکتے ہیں۔ اس سیزن میں رمیز راجا فرسٹ کلاس کرکٹ میں نمودار ہوتے۔ انھوں نے بیس میچ کھیلے اور چالیس اعشاریہ تینتالیس رنز کی اوسط سے ۱۲۹۴ رنز بنائے، جس میں چار سنچریاں اور سات ففٹیاں شامل تھیں۔ اسی دوران انھوں نے سری لنکا کی ۲۳ سال تک کی عمر کے کھلاڑیوں کی ٹیم کے خلاف دو ٹیسٹ کھیلے اور اُن میں سے پہلے ٹیسٹ میں جو کراچی میں کھیلا گیا رمیز راجا نے عمدہ بیٹنگ کرتے ہوئے ۱۴۵ رنز بنائے۔

رمیز راجا نے ۲۔ مارچ ۱۹۸۴ء کو انگلستان کے خلاف پہلا ٹیسٹ کھیلا۔ اس ٹیسٹ میچ میں وسیم راجا بھی کھیل رہے تھے۔ کرکٹ کی تاریخ میں یہ پانچواں موقع تھا جب دو بھائی ایک ساتھ کھیلے۔

وسیم اکرم

بہت کم نوجوان بولر ایسے ہوئے ہیں جنھوں نے اپنے کیریئر کے پہلے دوسرے ٹیسٹ میں دو وکٹ لے ڈالے ہوں اور وہ "مین اوف دی میچ" قرار دیے گئے ہوں۔

یہ کارنامہ پچھلے دِنوں پاکستان کی نئی دریافت وسیم اکرم نے نیوزی لینڈ میں آخری ٹیسٹ میں انجام دیا۔ اس میچ میں دل چسپ اور سنسنی خیز مقابلہ دیکھنے میں آیا جس کی وجہ یہ تھی کہ پاکستانی ٹیم نے ڈٹ کر مقابلہ کیا اور اس کارکردگی میں وسیم اکرم نے نمایاں کردار ادا کیا۔

وسیم اکرم کی صلاحیتیں سب سے پہلے اس وقت سامنے آئی تھیں جب پچھلے سال کے آخر میں نیوزی لینڈ کی ٹیم پاکستان میں راول پنڈی شہر میں کھیل رہی تھی۔ اگرچہ یہ وسیم اکرم کا پہلا انٹرنیشنل میچ تھا، اس کے باوجود وہ اچھا کھیل گئے اور انھوں نے بائیں ہاتھ سے میڈیم فاسٹ بولنگ کرتے ہوئے سات وکٹ لے ڈالے۔

اس سے پہلے پاکستان کے اپنے زمانے کے عظیم فاسٹ بولر خان محمد نے کوچنگ کیمپ کے دوران وسیم اکرم کا سراغ لگایا تھا اور اسی وقت اس کم سن کھلاڑی کے روشن مستقبل کی پیشین گوئی کر دی تھی۔ اسی کیمپ میں خان محمد صاحب نے وسیم اکرم کو بولنگ کے کچھ گُر سکھائے۔ اس کے بعد جب وسیم اکرم کو نیوزی لینڈ کے دورے کے لیے منتخب کیا گیا تو قدرتی طور پر ان کی خوشی کا ٹھکانا نہیں تھا۔

کچھ لوگوں کا خیال تھا کہ وسیم اکرم نیوزی لینڈ میں پہلا ٹیسٹ کھیلیں گے اور ان نو سِکھ ٹیسٹ کرکٹرز کی بھیڑ میں گم ہو جائیں گے جو ایک دو ٹیسٹ کھیل کر رخصت ہو جاتے ہیں، مگر وسیم اکرم نے اس دورے کو اپنے لیے یادگار بنا دیا۔ وہ کھیلے اور خوب کھیلے اور ان کا وہ خوب صورت خواب پورا ہو گیا جو انھوں نے نیوزی لینڈ جانے سے پہلے دیکھا تھا۔

وسیم اکرم پاکستان میں پاکستان آٹو موبائیل کارپوریشن کے لیے کھیلتے ہیں۔ اٹھارہ سال کی عمر میں اُن کے کھیل کے انداز کو دیکھتے ہوئے ایک بہت شان دار مستقبل کی توقع بے جا نہیں ہے۔

خانقاہ کا بُھوت

علی اسد

انگلستان کے ایک گاؤں میں جانوروں کے ایک ڈاکٹر صاحب رہا کرتے تھے۔ ان کا نام تھا سیگفریڈ فارنَن۔ میرا نام جیمس ہیری یَٹ ہے، میں ان کا نائب تھا۔ سیگفریڈ کا چھوٹا بھائی ٹرسٹان بھی ایڈنبرا میں ڈاکٹری کی تعلیم حاصل کر رہا تھا۔ وہ بھی جانوروں کا ڈاکٹر بننا چاہتا تھا۔ جب بھی چھُٹی ہوتی تھی تو وہ ہمارے پاس گاؤں آجایا کرتا تھا اور ہمارے کام میں ہاتھ بٹا دیتا تھا۔

ایک دن ٹرسٹان نے ناشتے کی میز سے کرسی پیچھے ہٹاتے ہوئے کہا، "ریِنس کے بھُوت

چاند کی روشنی میں کھڑکی میں ایک پادری خاموش کھڑا نظر آیا۔

والے معاملے میں کچھ نہ کچھ حقیقت ضرور ہے۔" اتنا کہہ کر اس نے اپنی ٹانگیں آرام سے پھیلا دیں اور اخبار پڑھنے لگا۔" اس میں لکھا ہے کہ ایک تاریخ داں اس معاملے کی تحقیقات کر رہے ہیں، وہ اس طرح کی کئی باتوں کا پہلے بھی سراغ لگا چکے ہیں۔" سیگفریڈ نے ہنس کر کہا، مگر جب ان کے چھوٹے بھائی نے سگرٹ نکالی تو ان کی تیوریاں چڑھ گئیں۔ سیگفریڈ ایک ہفتہ قبل سگرٹ چھوڑ چکے تھے اور وہ اب کسی کو سگرٹ پیتے ہوئے دیکھنا نہیں چاہتے تھے۔ ٹرسٹان نے دُھواں چھوڑتے ہوئے اپنی بات جاری رکھی، "ہاں، تو ان صاحب کا کہنا ہے کہ ریبس کی خانقاہ میں چودھویں صدی میں بہت سے پادری قتل کر دیے گئے تھے۔"

"تو پھر؟" سیگفریڈ نے جھلّا کر پوچھا۔ اس پر ٹرسٹان بولا، "یہ جو چیز جُبّہ پہنے خانقاہ کے نزدیک دکھائی دیتی ہے شاید ان ہی راہبوں میں سے کسی کی روح ہو؟"

"کیا بکواس کر رہے ہو؟"

"بہرحال، آپ کو یہ شے سوچنے پر مجبور تو کرتی ہے۔ خدا ہی جانے وہاں کیا کیا ظلم و ستم ڈھائے گئے ہوں گے۔"

"سب بکواس ہے۔" سیگفریڈ نے بحث کو ختم کرتے ہوئے کہا۔

میں نے جلدی سے اپنی کافی کی پیالی خالی کی اور شکر ادا کیا کہ یہ بحث ختم ہوئی۔ سیگفرند بے حد ناراض ہو گئے تھے، گزشتہ ہفتے تک وہ خوب سگرٹ پیتے تھے، جس کے باعث اُنھیں کھانسی کی شکایت ہو گئی تھی۔ ڈاکٹر نے انھیں سگرٹ چھوڑنے کا مشورہ دیا تھا، جسے انھوں نے قبول کر لیا اور بہت جلد صحّت یاب ہو گئے اور اب وہ نہ صرف خود سگرٹ چھوڑ چکے تھے، بلکہ دوسروں کو بھی نہایت سختی سے سگرٹ چھوڑنے کی تلقین کرتے رہتے تھے، لیکن افسوس کی بات یہ تھی کہ خود ان کے چھوٹے بھائی ٹرسٹان پر ان کی نصیحت کا کوئی اثر نہ ہوا۔ وہ مسلسل سگرٹ پیتا رہتا تھا۔ چناں چہ انھوں نے اس وقت بھی ٹرسٹان کو سگرٹ پینے سے روکنا چاہا، لیکن جب اس نے ان کی بات نہ مانی تو وہ جھلّا کر کمرے سے چلے گئے۔ وہ شاید اس وجہ سے بھی آج اپنے چھوٹے بھائی سے لڑنا نہیں چاہتے تھے کہ ٹرسٹان آج اپنے کالج واپس جانے والا تھا اور میرے ذمّے یہ کام تھا کہ میں اس کو بڑی سڑک تک پہنچا دوں، جہاں سے اس کو دوسری سواری مل جائے گی۔ چناں چہ جب

میں اس کو وہاں چھوڑ آیا تو پھر اپنے کام کے سلسلے میں چکّر لگاتا رہا، مگر راستے بھر مجھے اس گفت گو کا خیال آتا رہا جو ناشتے کی میز پر ٹرسٹان اور سیگفریڈ کے درمیان ہوئی تھی۔ بہت سے لوگ قسم کھانے پر تیار تھے کہ انھوں نے رینس والے بھوت کو دیکھا ہے۔ ہر شخص ایک ہی کہانی سُناتا تھا۔ رینس گاؤں کے آگے ایک پہاڑی تھی۔ اس کی چوٹی پر جنگل تھا۔ درختوں کا سلسلہ سڑک تک چلا تھا۔ جو لوگ رات گئے موٹر پر ادھر سے گزرتے تھے وہ کہتے تھے کہ انھوں نے اپنی موٹر کار کی روشنی میں ایک پادری کو دیکھا تھا۔ یہ پادری گیروا لباس پہنے ہوئے تھا اور وہ جنگل میں غائب ہو رہا تھا۔ لوگوں کا خیال تھا کہ ظاہری شکل سڑک پار کر رہی تھی، لیکن وہ یقین کے ساتھ یہ بات نہیں کہتے تھے، کیوں کہ ہر بار بھوت اور ان کے درمیان فاصلہ بہت زیادہ ہوتا تھا۔ بہرحال ہر شخص کو یقین تھا کہ انھوں نے ایک پُراَسرار ہستی کو جُبے میں ملبوس سَر جھکائے جنگل میں جاتے ہوئے دیکھا ہے۔ اس کو دیکھ کر لوگ یقیناً ڈر جاتے تھے، اس لیے کہ کسی شخص نے اس کا پیچھا کرنے کا دعوا نہیں کیا تھا۔

اتفاق کی بات ہے کہ دن بھر میں رینس کے بارے میں سوچتا رہا اور رات ایک بجے مجھے اسی گاؤں سے بُلاوا آگیا۔ بستر سے اُٹھ کر جب میں کپڑے پہن رہا تھا تو مجھے ٹرسٹان کا خیال آیا کہ وہ اس وقت آرام سے ایڈنبرا میں ڈاکٹری کی تمام تکالیف سے بے نیاز سو رہا ہوگا۔ رینس گاؤں صرف تین میل کے فاصلے پر تھا اور وہاں کام بھی کوئی مشکل نہ تھا۔ ایک چھوٹے سے لڑکے کا ٹٹّو پیٹ کے درد میں مبتلا ہو گیا تھا۔

رات سرد ہو رہی تھی اور پورا چاند چمک رہا تھا۔ میں نے وہاں پہنچ کر ٹٹو کا معائنہ کیا اور اس کی گردن میں ایک انجکشن لگا دیا۔ کچھ دیر کے بعد اس نے ڈھیر ساری لید کر دی۔ میں نے کہا، "اب یہ ٹھیک ہو جائے گا، لہٰذا میں چلتا ہوں۔ اگر کوئی تکلیف ہو تو ٹیلے فون کر دینا۔"

گاؤں کے آگے سڑک ایک دَم گھوم جاتی تھی اور اس کے بعد خانقاہ کی جانب چڑھائی شروع ہو جاتی تھی۔ میری موٹر کار کی روشنی جہاں پڑ رہی تھی اُسی جگہ بھوت کو ہمیشہ دیکھا گیا تھا۔ وہ سڑک پار کر کے درختوں کے جُھنڈ میں چلا جاتا تھا۔ پہاڑی کی بلندی پر اچانک

میں نے گاڑی روک دی اور اُتر پڑا۔ یہی وہ جگہ تھی۔ گھنے جنگل کے کنارے چاندنی میں درختوں کے چکنے تنے عجیب بھیانک انداز میں چمک رہے تھے اور اوپر شاخیں ہوا سے ہل رہی تھیں۔ میں جنگل میں چلا گیا اور دوسری جانب نکل آیا۔ اب ریفس کی خانقاہ میرے سامنے تھی۔ اس خوب صورت کھنڈر کو میں نے ہمیشہ گرمیوں کے موسم میں دیکھا تھا، جب یہاں چہل پہل رہتی تھی اور بچے کھیلتے کودتے دکھائی دیتے تھے، لیکن اس وقت رات کے ڈھائی بجے تھے ہر طرف سنّاٹا چھایا ہوا تھا اور سرد ہواؤں کے تھپیڑے میرے چہرے پر پڑ رہے تھے۔ مجھے اچانک تنہائی کا احساس ہوا۔ چاندنی میں ہر چیز صاف نظر آرہی تھی۔ عمارت کے بلند ستون بالکل نقلی معلوم ہو رہے تھے۔ کچھ فاصلے پر راہبوں کے حجرے دکھائی دے رہے تھے۔ اتنے میں ایک اُلّو نے چیخ کر سنّاٹے کو اور بھی بڑھا دیا۔ مجھے خوف محسوس ہونے لگا۔ میں سوچنے لگا کہ میں جیتا جاگتا آدمی صدیوں پرانے اس کھنڈر میں کیا کر رہا ہوں۔ میں تیزی سے لوٹا اور جنگل پار کرنے لگا۔ کئی جگہ درختوں سے ٹکرا گیا۔ کبھی جھاڑیوں میں پیر اُلجھ گیا اور میں گرتے گرتے بچا۔ جب میں اپنی گاڑی تک پہنچا تو میں کانپ رہا تھا اور میری سانس اُکھڑی ہوئی تھی۔ میں نے گاڑی میں بیٹھ کر دروازہ بند کیا اور موٹر کار چلا دی۔

میں دس منٹ میں گھر پہنچ گیا۔ سیڑھیوں پر چڑھ کر اپنے کمرے کا دروازہ کھولا اور سوئچ کا بٹن دبایا۔ جب کمرے میں اندھیرا قائم رہا تو مجھے حیرت ہوئی۔ اس کے بعد میں دروازے میں بالکل ساکت کھڑا رہ گیا۔

کھڑکی پر، جہاں چاند کی روشنی پڑ رہی تھی، ایک پادری کھڑا ہوا تھا۔ وہ گیروا لباس پہنے ہوئے تھا اور سر جُھکائے بالکل ساکت کھڑا تھا۔ اس کا چہرہ چوں کہ روشنی کے دوسری جانب یعنی میری طرف تھا، اس لیے میں اُس کا چہرہ نہیں دیکھ سکا۔ میں سوچنے لگا کہ اب میرا دَم گُھٹ جائے گا۔ میرا منھ کُھل گیا، مگر کوئی آواز برآمد نہ ہو سکی۔ مجھے قطعی یقین ہو گیا کہ بھوت بہرحال ہوتے ہیں۔ میرا منھ پھر کُھلا اور ایک دل خراش چیخ نکل گئی، "کون ہے؟"

فوراً جواب ملا، "ٹرسٹان"۔ میں بے ہوش تو خیر نہیں ہوا، لیکن پلنگ پر ڈھیر ہو گیا۔ مجھے بس اتنا معلوم ہوا کہ ایک پادری کرسی پر کھڑا ہو کر بلب لگا رہا ہے۔

اس دوران وہ برابر کھکھلاتا رہا۔ پھر اس نے بتّی جلا دی اور میرے پلنگ پر بیٹھ گیا۔

اس نے اپنے جُبّے کو سَر سے کھسکا کر کندھے پر ڈال دیا اور سگرٹ سلگا کر مجھے دیکھنے لگا۔ وہ ابھی تک ہنس رہا تھا۔ اس نے کہا، "ارے بھئی کمال ہو گیا۔ میں امید سے زیادہ کام یاب رہا۔" میں نے اسے گھور کر دیکھا اور بڑی مشکل سے کہا، "مگر تم تو ایڈنبرا میں تھے!"

"وہاں زیادہ کام نہ تھا، لہٰذا میں سیدھا واپس آگیا۔ میں یہاں پہنچا ہی تھا کہ میں نے تم کو آتے ہوئے دیکھا۔ بلب نکالنے اور لبادہ اوڑھنے کے لیے میں نے بڑی جلدی کی۔ میں ایسا نادر موقع ہاتھ سے جانے نہیں دینا چاہتا تھا۔"

"میرے دل پر ہاتھ رکھ کر دیکھو۔" ٹرسٹان نے ذرا دیر کے لیے میرے سینے پر ہاتھ رکھا۔ اس کے چہرے پر پریشانی کے آثار نمایاں ہو گئے۔ "معاف کرنا جم۔" پھر اس نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھ کر تسلّی دیتے ہوئے کہا، "گھبراؤ نہیں، اگر یہ مذاق تمھارے لیے خطرناک ہوتا تو تم دھڑام سے گر کر مَر چکے ہوتے۔ بہر حال، ڈر بھی ٹانک کی طرح کام کرتا ہے۔"

"شکریہ۔" میں نے کہا، "بہت بہت شکریہ۔"

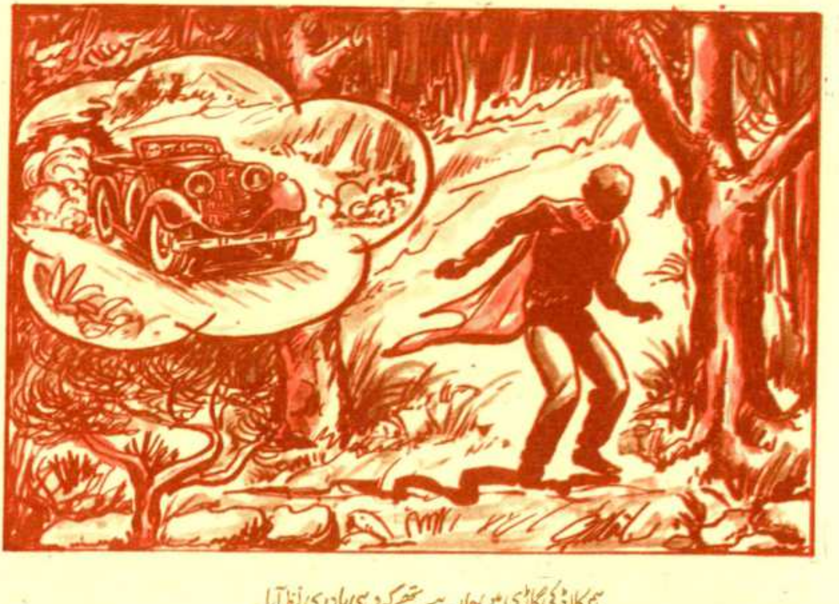

ہم کلاڈ کی گاڑی میں جا رہے تھے کہ دہی پادری نظر آیا۔

"کاش تم خود اپنی چیخ سُن سکے ہوتے۔" یہ کہہ کر وہ پھر ہنسنے لگا۔ میں تکیے سے ٹیک لگا کر لیٹ گیا۔ مجھے ابھی تک کمزوری محسوس ہو رہی تھی۔

میں نے ٹرسٹان سے کہا، "تو تم ہو ریبنس کے بھوت۔" ٹرسٹان کی باچھیں کھل گئیں مگر وہ بولا کچھ نہیں۔

"لیکن آخر تم یہ مذاق کیوں کرتے ہو؟ کیا مزہ ملتا ہے تم کو؟"

"پتا نہیں۔" یہ کہہ کر ٹرسٹان نے سگرٹ کے دھوئیں کو چھت کی جانب چھوڑا اور بولا، "میرے لیے صحیح وقت کا اندازہ لگانا نہایت اہم ہوتا ہے، تاکہ ڈرائیور اس شبے میں رہے کہ اس نے مجھے واقعی دیکھا ہے یا نہیں۔ پھر جب وہ گھبرا کر اپنی گاڑی کو دوڑاتے ہیں تو مجھے بڑا لطف آتا ہے۔ کوئی ڈرائیور رفتار کم نہیں کرتا۔"

"دیکھو، ایک نہ ایک دن تم بُری طرح پھنس جاؤ گے۔" میں نے کہا۔

"اس کا کوئی اندیشہ نہیں۔ میں اپنی سائکل کو سڑک سے سو گز کے فاصلے پر ایک جھاڑی میں رکھ دیتا ہوں، تاکہ جلدی سے بھاگ سکوں، لہٰذا فکر کی کوئی بات نہیں۔"

"تم جانو اور تمھارا کام۔" میں نے کہا اور پلنگ سے اُٹھ کر نیچے جانے لگا۔ دروازے کے قریب رُک کر میں نے اس سے کہا، "مگر یاد رکھو، اگر تم نے میرے ساتھ پھر کبھی اس طرح کی حرکت کی تو میں تمھارا گلا گھونٹ دوں گا۔"

چند روز بعد رات کے آٹھ بجے میں بیٹھا ہوا پڑھ رہا تھا کہ اتنے میں ڈاکٹر سیگفریڈ گھبرائے ہوئے آئے اور بولے، "بوڑھے ڈاسن کی گائے کا تھن زخمی ہو گیا ہے معلوم ہوتا ہے ٹانکے لگانے پڑیں گے۔ تم ذرا چلے چلو، تاکہ مجھے مدد مل جائے۔"

چناں چہ پندرہ منٹ بعد ہم لوگ وہاں پہنچ گئے اور اس گائے کی مرہم پٹی کر دی۔ ہم وہاں سے چلنے ہی والے تھے کہ اتنے میں گاؤں کا بھاری بھر کم سپاہی کلاڈ آ گیا اور بولا، "میں نے روشنی دیکھی تو چلا آیا کہ شاید میری مدد کی ضرورت ہو۔"

بوڑھے ڈاسن نے کہا، "شکریہ، مگر اب سب کام ہو چکا ہے۔"

سیگفریڈ نے ہنستے ہوئے کہا، "ذرا دیر پہلے تم آ جاتے تو اپنے طاقت ور بازو میں گائے کو دبوچ لیتے اور میرا کام آسان ہو جاتا۔"

کلاڈ مسکرا کر گردن ہلانے لگا۔ اس کو اس ضلعے میں ہر شخص اچھی طرح جانتا تھا وہ بڑا اچھا کھلاڑی بھی تھا اور ہر ایک کی مدد کرتا رہتا تھا، لیکن غنڈے اس کا نام سُن کر کانپنے لگتے تھے۔ وہ بولا، "اچھا، میں چلتا ہوں۔ مجھے ڈیروبی جانا ہے۔" یہ سُن کر سیگفریڈ نے کہا، "کلاڈ، مجھے ایک جگہ اور جانا ہے، لہٰذا تم مسٹر جیمس کو اپنے ساتھ اگر لیتے جاؤ تو بڑا اچھا ہو۔"

میں کلاڈ کی گاڑی میں بیٹھ گیا اور ہم لوگ روانہ ہو گئے۔ واپسی میں ہم کو رینس گاؤں سے ہو کر گزرنا تھا۔ جوں ہی ہم اوپر چڑھنے لگے وہ اچانک خاموش ہو گیا۔ پھر اس نے سامنے اشارہ کرتے ہوئے کہا، "وہ دیکھو، وہی کم بخت ہے۔"

"کہاں؟ کہاں؟" میں نے انجان بن کر کہا، حال آنکہ میں نے بھی دیکھ لیا تھا۔ کلاڈ نے تیزی سے گاڑی پہاڑی پر چڑھا دی۔ اوپر پہنچ کر اس نے تیزی سے گاڑی کو سڑک کے کنارے گھما دیا، تاکہ گاڑی کی تیز بتیوں کا رُخ جنگل کی طرف ہو جائے۔ وہ پھر گاڑی سے نکل پڑا۔ کچھ فاصلے پر ایک پادری درختوں کے جُھنڈ کی جانب بھاگتا چلا جا رہا تھا۔ کلاڈ نے گاڑی میں سے ایک بڑا سا ڈنڈا نکال لیا اور چلّایا، "چلو، اس نالائق کا پیچھا کریں۔" میں بھی اُس کے پیچھے دوڑا اور بولا، "اگر اس کو تم نے پکڑ لیا تو کیا کرو گے؟"

"میں اس کا بُھرتا بنا دوں گا۔" کلاڈ نے کہا اور تیزی سے آگے نکل گیا۔ وہ بھاگتا جا رہا تھا اور چیختا جا رہا تھا۔ مجھے اس بھوت کی حالت پر ترس آ رہا تھا، مگر بھوت واقعی غائب ہو گیا۔ کلاڈ حیران ہو کر بولا، "میں تو بڑی تیزی سے اس کے پیچھے بھاگا، مگر وہ تو بالکل غائب ہی ہو گیا۔" میں نے کہا، "بھوت تو آخر بھوت ہی ہے۔"

مجبور ہو کر کلاڈ بولا، "چلو ڈیروبی چلیں۔" اس روز بڑی سخت سردی پڑ رہی تھی۔ میں جب گھر پہنچا تو ٹرسٹان وہاں نہیں تھا، مجھے فکر ہو گئی۔ تقریباً آدھی رات کو برابر والے کمرے میں کچھ آہٹ سنائی دی۔ میں نے کُود کر درمیانی دروازہ کھول دیا۔ ٹرسٹان شب خوابی کا لباس پہنے تھا اور گرم پانی کی دو بوتلیں اپنے سینے سے لگائے تھا۔ اس نے گردن گھما کر مجھے دیکھا۔ پھر چت لیٹ گیا۔ میں پریشان ہو کر اس کے قریب آ گیا۔ وہ بُری طرح کانپ رہا تھا۔ "کیسے ہو ٹرسٹان؟" میں نے پوچھا۔

چند لمحوں کے بعد ہلکی سی آواز آئی، "میری ہڈیاں تک منجمد ہو گئی ہیں۔"
"مگر تم تھے کہاں؟"
"ایک نالے میں۔"
"نالے میں؟" میں نے حیرت سے پوچھا، "کہاں؟"
اس نے سر ہلا کر کہا، "جنگل میں سڑک کے کنارے پائپ پڑے ہوئے نہیں دیکھے تم نے؟"
"ہاں، ہاں، گاؤں میں گندے پانی کی نکاسی کے لیے ایک نئی پائپ لائن ڈالی جانے والی ہے۔" میں نے کہا۔
"میں نے جب اس دیو قامت سپاہی کو جنگل میں آتے دیکھا تو میں سیدھا ایک پائپ میں گھس گیا۔ خدا ہی جانے میں کتنی دیر اُس میں پڑا رہا۔"
"مگر ہمارے چلے آنے کے بعد تم نکل کیوں نہیں آئے؟"
ٹرسٹان بولا، "مجھے پائپ کے اندر کچھ سنائی نہیں دے رہا تھا۔ میرے کانوں پر جُبّہ چڑھا ہوا تھا اور باہر ہوا بڑے زور سے چل رہی تھی۔ گاڑی کے روانہ ہونے کا مجھے پتا ہی نہیں چلا، لہٰذا ڈر کے مارے میں اسی میں چھپا رہا۔"
"خیر، کوئی بات نہیں ٹرسٹان۔ تم چند روز میں اچھے ہو جاؤ گے۔" اس نے میری بات شاید نہیں سُنی۔
"یہ گندے پانی والے پائپ بہت خراب ہوتے ہیں۔" اس نے کہا۔ "اس میں بلیوں کے پیشاب کی بُو بھری ہوتی ہے۔"
"ہاں، ہاں، میں جانتا ہوں۔" میں نے تسلی دیتے ہوئے کہا۔ پھر بتی بجھا کر میں کمرے سے نکل آیا۔ ٹرسٹان صرف سردی کی وجہ سے بیمار نہ تھا۔ اس پر دہشت طاری ہو گئی تھی۔
دوسرے دن ناشتے پر ٹرسٹان کی حالت ٹھیک نہ تھی۔ سیگفریڈ نے اسے دیکھ کر کہا، "یہ سب تمھاری سگرٹ نوشی کی بدولت ہے۔ رات بھر تم کھانستے رہے ہو۔"
ٹرسٹان نے سگرٹ تو خیر نہیں چھوڑی، مگر رینس کا بھوت پھر کبھی نہیں دکھائی دیا۔ آج تک یہ لوگوں کے لیے معما بنا ہوا ہے۔

چور: "لڑکے، اگر تم نے اپنے ابّو کو جگانے کی کوشش کی تو......."
"اس شرط پر نہیں جگاؤں گا کہ تم میرے اسکول کا بستہ بھی ساتھ لے جاؤ، ورنہ......."

"تمھاری آخری خواہش ہے کہ تمھیں ۲۹۔ فروری کو پھانسی دی جائے، لیکن تم جانتے ہو کہ اس کے لیے تمھیں چار سال انتظار کرنا پڑے گا۔"
"جناب عالی، مجھے کوئی اعتراض نہیں، میں انتظار کر سکتا ہوں۔"
103

گھوڑی کا انڈا

پرانے زمانے کی بات ہے کہ ایک جولاہا کسی شہر میں پہنچ گیا۔ گھومتا پھرتا وہ ایک دُکان کے پاس سے گزرا تو اسے وہاں بہت سے تربوز تلے اوپر رکھے ہوئے دکھائی دیے۔ اس جولاہے نے تربوز پہلے کبھی نہیں دیکھے تھے۔ اس نے اپنے دل میں کہا، "دوسرے پرندوں کے انڈے تو میں نے دیکھے ہیں، مگر یہ انڈے نہ جانے کس چڑیا کے ہیں۔ شاید یہ گھوڑی کے انڈے ہوں۔"

چناں چہ اس نے دُکان دار سے کہا، "کیا یہ گھوڑی کے انڈے ہیں؟"

دُکان دار نے جو یہ سُنا تو سمجھ گیا کہ یہ آدمی نِرا احمق ہے۔ وہ کہنے لگا، "ہاں، یہ گھوڑی کے انڈے ہیں۔"

"کیا قیمت ہے؟" جولاہے نے پوچھا۔

"سو رُپے کا ایک ہے۔" دُکان دار بولا۔

بے وقوف جولاہے نے جلدی سے اپنے رُپوں کی تھیلی نکالی اور سو رُپے دے کر ایک تربوز خرید لیا۔ پھر وہ خوشی خوشی اپنے گھر کی طرف چلا۔ راستے میں سوچنے لگا، "جب میں گھر پہنچ جاؤں گا تو اس انڈے کو کسی گرم جگہ پر رکھ دوں گا اور پھر چند دِنوں کے بعد اس میں سے گھوڑی کا بچّہ نکل آئے گا۔ جب وہ بڑا ہو جائے گا تو میں اس میں سوار ہو کر اپنے سُسر کے گھر جاؤں گا۔ وہ مجھے گھوڑے پر سوار دیکھ کر بے حد حیران ہوں گے۔"

اس دن بڑی گرمی ہو رہی تھی۔ چناں چہ جولاہا ایک تالاب کے کنارے نہانے کے لیے رُک گیا۔ سب سے پہلے اس نے تربوز کو بڑی احتیاط سے ایک جھاڑی میں چھُپا دیا۔ پھر کپڑے اُتارنے لگا۔ ابھی وہ پورے کپڑے بھی نہ اُتار پایا تھا کہ جس جھاڑی میں تربوز رکھا تھا، اُس میں سے ایک خرگوش نکلا۔ یہ دیکھ کر جولاہا اپنے کپڑے ہاتھ میں لیے فوراً

اس خرگوش کے پیچھے بھاگا۔ وہ خرگوش کے پیچھے بھاگتا جا رہا تھا اور کہتا جا رہا تھا، "ارے، ارے، دیکھو میرا گھوڑی کا بچّہ بھاگا جا رہا ہے!"

بہر حال جولاہا خرگوش کو پکڑ نہ سکا اور وہ نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ بے چارہ جولاہا اپنے نقصان پر صبر کرتا ہوا بولا، "قسمت کا لکھا پورا ہو گیا۔ رہا وہ انڈا تو اب وہ بے کار ہے، کیوں کہ گھوڑی کا بچّہ تو اس میں سے نکل ہی گیا ہے۔"

چناں چہ وہ اپنے گھر واپس آگیا اور اپنی بیوی سے کہنے لگا، "ارے بیوی، آج میرا بڑا نقصان ہو گیا۔"

"کیوں، کیا ہوا؟" بیوی نے پوچھا۔

"میں نے سو رُپے دے کر گھوڑی کا انڈا خریدا۔ راستے میں نہانے کے لیے میں تالاب کے پاس رُک گیا۔ بس اتنی دیر میں گھوڑی کا بچّہ انڈے میں سے نکل کر بھاگ گیا۔"

جولاہا دُکان پر تربوز رکھے ہوئے دیکھ کر اُن کو کسی چڑیا کے انڈے سمجھا۔

یہ سُن کر بیوی نے کہا" افسوس، کاش تم اس کو یہاں لے آتے تو میں اس پر سوار ہو کر اپنے باپ کے گھر جاتی۔"

یہ سنتے ہی جولاہے کو غصّہ آگیا۔ وہ ایک لکڑی اُٹھا کر بیوی کو مارنے لگا اور چلّایا،" کم بخت تُو گھوڑے کے بچّے کی کمزور کمر توڑنا چاہتی ہے!"

اس کے بعد وہ اپنے نقصان پر افسوس کرتا ہوا دوستوں اور پڑوسیوں کے پاس چلا گیا اور ان سے کہنے لگا،" اگر تم لوگوں کو کوئی گھوڑی کا بچّہ دکھائی دے تو مجھے فوراً بتانا۔" پھر اس نے گاؤں کے ان لوگوں سے اپنا قصّہ بیان کیا جو مویشی پالتے تھے۔ ایک کسان بولا،" یہ کیا بکواس ہے! گھوڑی کا انڈا بھلا کہاں ہوتا ہے۔ تم نے وہ انڈا کہاں رکھا؟"

جولاہا بولا،" میں نے اسے ایک جھاڑی میں رکھا تھا جو تالاب کے کنارے ہے۔"

کسان بولا،" چلو، ہم کو دکھاؤ۔"

چناں چہ سب لوگ وہاں پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ تربوز اسی جھاڑی میں رکھا ہوا ہے۔ جولاہا چلّایا،" یہ ہے میرا گھوڑی کا انڈا۔ اسی میں سے وہ چیز نکل کر بھاگی تھی۔"

کسانوں نے تربوز کو اُلٹ پُلٹ کر دیکھا اور بولے،" اس کے کس حصّے میں سے گھوڑی کا بچّہ نکل کر بھاگا تھا؟"

یہ سُن کر جولاہے نے بھی تربوز کا معائنہ کیا۔ اتنے میں ایک کسان بولا،" اس تربوز میں سے کوئی گھوڑی کا بچّہ نہیں نکلا۔ تم تو ہو احمق۔ تمھیں دھوکا دیا گیا ہے۔ ہم تم کو دکھاتے ہیں کہ گھوڑی کے بچّے کیسے ہوتے ہیں۔"

یہ کہہ کر اس نے تربوز کو پٹخ کر توڑ ڈالا اور تربوز کے بیجوں کو دکھاتے ہوئے بولا، "یہ لو، یہ ہیں تمھاری گھوڑی کے بے شمار بچّے۔"

پھر کسانوں نے وہ تربوز کھا لیا اور سب ہنستے ہوئے چلے گئے۔

شاہی جاسوس

مصر کے پرانے بادشاہ رھامپ سینٹیس کے پاس چاندی کا ایک بہت بڑا ذخیرہ تھا۔ اس زمانے میں وہ سونے سے بھی زیادہ نادر تھا۔ بادشاہ نے ایک معمار کو حکم دیا کہ محل کی دیوار کے قریب ایک ایسا کمرا بنائے جس میں یہ خزانہ رکھا جاسکے اور کوئی اسے چُرا نہ سکے۔ چناں چہ یہ محفوظ کمرا بن گیا، لیکن جس معمار نے یہ کمرا بنایا تھا وہ جب مرنے لگا تو اس نے اپنے دونوں بیٹوں کو بُلایا اور ان کو بتایا کہ اس نے ایک پتّھر کو اس ترکیب سے رکھا ہے کہ

دونوں بیٹوں نے خزانے کے کمرے میں گھس کر خزانے کا بڑا حصّہ چُرالیا۔

اکیلے ایک آدمی بھی اسے اُٹھا سکتا ہے اور اندر داخل ہو سکتا ہے، لہٰذا دونوں بیٹے بادشاہ کا جتنا خزانہ لوٹنا چاہیں لُوٹ سکتے ہیں۔

چناں چہ جب باپ مر گیا تو دونوں بیٹے رات کو محل کی دیوار کے پاس گئے اور اس پتھر کو تلاش کر کے خزانے والے کمرے میں داخل ہو گئے اور خزانے کا ایک بہت بڑا حصّہ چُرا لے گئے۔ دوسرے دن بادشاہ جب خزانہ دیکھنے گیا تو اس نے دیکھا کہ اس کی بہت سی چاندی غائب ہے اور دروازے کا قفل بھی بند ہے۔ پھر جب تین مرتبہ چوری ہو چکی تو بادشاہ نے چور کو پکڑنے کے لیے جال بچھوا دیا اور دونوں بھائیوں میں سے ایک اس جال میں پھنس گیا۔ وہ اس طرح سے جال میں پھنس گیا تھا کہ ہلنا بھی محال تھا۔ لہٰذا اس نے فوراً اپنے بھائی سے کہا کہ اس کا سَر قلم کر کے لے جائے تاکہ کوئی اس کو پہچان نہ سکے اور ہمارا خاندان شاہی عتاب سے محفوظ رہے۔ چناں چہ بھائی نے ایسا ہی کیا اور اسی خفیہ راستے سے خزانے کے باہر نکل گیا جس راستے سے داخل ہوا تھا۔

بادشاہ نے جب سَر کٹا جسم دیکھا تو وہ بڑا حیران ہوا اور سوچنے لگا کہ چور کو آخر کس طرح پکڑا جائے۔

اس نے جسم کو محل کی دیوار کے باہر لٹکوا دیا اور حکم دے دیا کہ اس جسم کو دیکھ کر اگر کوئی شخص روتا دکھائی دے تو اس کو فوراً گرفتار کر لیا جائے۔ ادھر مرے ہوئے چور کی ماں کو جب یہ پتا چلا کہ اس کے بیٹے کا جسم اس طرح سے لٹکا ہوا ہے تو وہ بے حد پریشان ہو گئی اور اس نے اپنے دوسرے بیٹے سے کہا کہ جس طرح بھی ہو اس جسم کو وہاں سے لے آئے اور اگر ایسا نہ کیا گیا تو وہ خود جا کر بادشاہ کے سامنے اقبالِ جرم کر لے گی۔

چناں چہ اس لڑکے نے چند گدھے لیے اور ان پر شراب کی مشکیں رکھیں اور پھر ان گدھوں کو لے کر محل کی دیوار کے پاس سے گزرا جہاں سپاہی تعینات تھے۔ پھر اس نے جان بوجھ کر چند مشکیں گرا دیں اور یہ ظاہر کیا کہ جیسے وہ اتفاق سے گر گئی ہیں۔ سپاہیوں نے جلدی سے ان مشکوں کو اُٹھا لیا اور اپنے آپ کو بڑا چالاک سمجھ بیٹھے۔ چور نے سپاہیوں پر ناراضگی ظاہر کی، مگر سپاہیوں نے بڑی نرمی سے بات کی۔ اس پر چور نے شرمندگی کا

چور ایک مرے ہوئے آدمی کا کٹا ہوا ہاتھ اپنے لبادے میں چھپا کر شہزادی کے پاس پہنچ گیا۔

اظہار کیا اور اپنے گدھوں کو قطار میں لگانے لگا۔ اس کے بعد چور اور سپاہیوں میں اِدھر اُدھر کی باتیں ہونے لگیں اور چور نے ان کو اپنی شراب پلادی۔ سپاہی شراب پی کر مدہوش ہو گئے۔ پھر رات کی تاریکی میں چور سوتے ہوئے سپاہیوں کے اوپر سے گزر کر اپنے بھائی کے جسم تک پہنچا اور جسم کو اُتار لایا۔

بادشاہ کو جب جسم کی گم شدگی کا پتا چلا تو وہ اور بھی ناراض ہوا اور چور کو پکڑنے کے لیے اس کا عزم اور پختہ ہو گیا۔ اس نے اپنی بیٹی سے کہا کہ شہر سے جب لوگ اس کے پاس آئیں تو وہ ان سے کہے کہ وہ چالاکی کا جو سب سے بڑا کارنامہ سوچ سکتے ہوں وہ سُنائیں اور اگر کوئی شخص سر کٹے ہوئے چور کا قصہ سنائے تو فوراً اس کا ہاتھ پکڑ لے اور چلّائے تاکہ اسے گرفتار کیا جا سکے۔ لیکن چور کو بادشاہ کی اس ترکیب کا پتا چل گیا۔ چناں چہ وہ ایک مرے ہوئے آدمی کا کٹا ہوا ہاتھ اپنے لبادے میں چھپا کر شہزادی کے پاس

پہنچ گیا۔ وہاں اس نے شہزادی کو بتایا کہ اس کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے بادشاہ کا خزانہ چُرایا اور جس طرح چُرایا تھا وہ بھی بتا دیا۔ پھر اس نے اپنی چالاکی کے سلسلے میں بتایا کہ اس نے شاہی سپاہیوں کو کس طرح بے وقوف بنایا اور مُردہ جسم کو اُٹھا کر لے گیا۔

یہ سنتے ہی شہزادی نے فوراً چور کا ہاتھ پکڑ لیا جو آگے بڑھا ہوا تھا۔ چور اندھیرے میں بھاگ گیا اور شہزادی کٹا ہوا ہاتھ پکڑے رہ گئی۔ بادشاہ نے جب یہ سُنا تو اس نے اعلان کروایا کہ چور اب خود ہی اپنے آپ کو پیش کر دے۔ اسے معاف کر دیا جائے گا بلکہ غیر معمولی ذہانت کی بنا پر اسے انعام دیا جائے گا۔ چناں چہ چور نے خود کو ظاہر کر دیا اور بادشاہ نے اپنی بیٹی کی شادی اس کے ساتھ کر دی۔

---

a great name in INSURANCE

PLATINUM
INSURANCE COMPANY LTD
PROGRESS WITH SAFETY

Platinum Insurance Co. Ltd.

4th & 5th FLOOR STATE LIFE BUILDING NO 2, WALLACE ROAD KARACHI (PAKISTAN) Phones : 222962 - 222959

صبح کا منظر

طالب حسین طالب

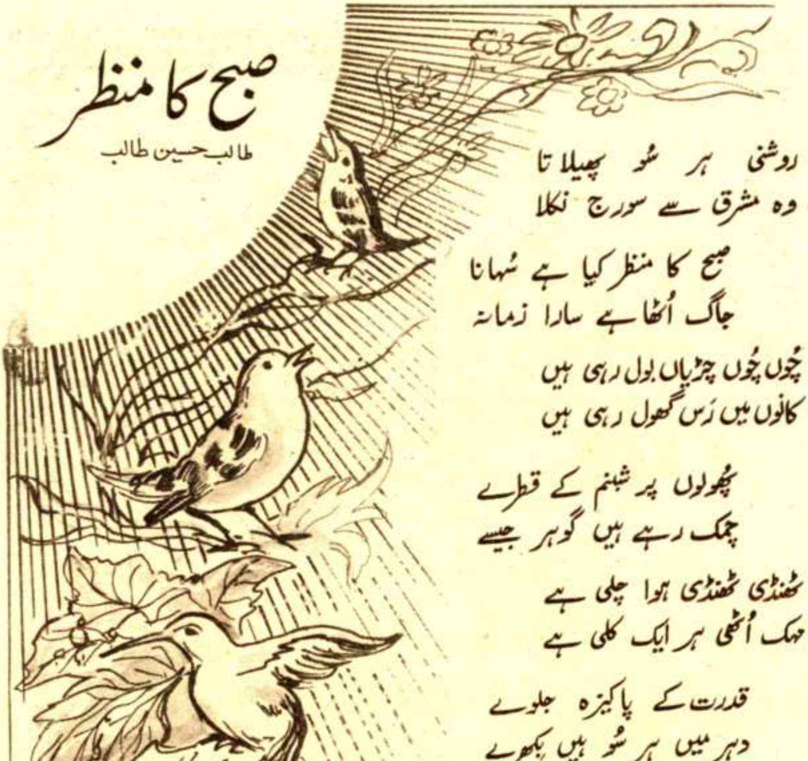

روشنی ہر سُو پھیلاتا
وہ مشرق سے سورج نکلا

صبح کا منظر کیا ہے سُہانا
جاگ اُٹھا ہے سارا زمانہ

چُوں چُوں چڑیاں بول رہی ہیں
کانوں میں رَس گھول رہی ہیں

پھُولوں پر شبنم کے قطرے
چمک رہے ہیں گوہر جیسے

ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چلی ہے
مہک اُٹھی ہر ایک کلی ہے

قدرت کے پاکیزہ جلوے
دہر میں ہر سُو ہیں بکھرے

آؤ چمن میں ہم بھی جائیں
سیر کا ہم بھی لُطف اُٹھائیں

روشنی ہر سُو پھیلاتا
وہ مشرق سے سورج نکلا

ایک کے بدلے
100 سو
اب آپ کی جانی پہچانی
ھلال
کوکونٹ اور بون بون سوئیٹس
کے پیکٹوں میں پلاسٹک کی ڈمی سوئیٹس
بھی شامل ھیں۔
اگر آپ کو یہ پلاسٹک سوئیٹ ملے تو آپ
اس سوئیٹ کے بدلے اپنے قریبی دکاندار سے
ھلال سوئیٹس کا پورا پیکٹ مفت
لے سکتے ہیں۔
ھلال کنفکشنری حیدرآباد۔ پاکستان
ایجنٹ برائے کراچی: اریکو کمپنی پاکستان چوک کراچی۔ فون: 218359

ad-ventures

پیارے بچو! جاگو جگاؤ، علم حاصل کرو اور علم کی شمع ہاتھ میں لے کر دوسروں تک علم کی روشنی پہنچاؤ۔ علم حاصل کرنا اور دوسروں تک علم کی روشنی پہنچانا بڑا مقدس فرض ہے۔
حکیم محمد سعید

س: بتائیے "میڈیم ویو" اور "شارٹ ویو" سے کیا مُراد ہے؟

مہربان اعظم، ڈیرہ اسماعیل خاں

ج: میڈیم وَیْو کا مطلب ہے درمیانی لہر اور شارٹ ویو کا مطلب ہے مختصر لہر۔ ریڈیو پروگرام وائرلیس لہروں پر نشر کیے جاتے ہیں۔ اس مقصد کے لیے ٹرانسمیٹر استعمال کیا جاتا ہے۔ آپ نے پاکستان کے کسی ریڈیو اسٹیشن سے اکثر سُنا ہوگا کہ یہ پروگرام میڈیم اور شارٹ دونوں لہروں پر نشر کیے جارہے ہیں۔ اوسط یا درمیانی درجے کی لہروں پر جو پروگرام نشر کیے جاتے ہیں وہ زیادہ فاصلے پر نہیں سُنے جاسکتے۔ اس کا حلقہ اسّی، سو میل سے زیادہ نہیں ہوتا، لیکن جن پروگراموں کو بین الاقوامی طور پر نشر کیا جاتا ہے اور مقصد یہ ہوتا ہے کہ وہ دُور تک سُنے جاسکیں تو انھیں شارٹ ویو پر نشر کیا جاتا ہے۔ ان لہروں کی قوت اور دُور تک جانے کی صلاحیت زیادہ ہوتی ہے۔ ہمارے ملک میں عام طور سے وہ پروگرام میڈیم ویو پر نشر کیے جاتے ہیں، جنھیں آس پاس سُنا جاتا ہے، لیکن سمندر پار ملکوں کے لیے جو پروگرام نشر کیے جاتے ہیں وہ شارٹ ویو پر نشر کیے جاتے ہیں۔

س: جیٹ طیارے سے دھماکا خیز آواز کیوں پیدا ہوتی ہے؟

محمد سلیم بھٹی، شمس آباد سکھر

ج: "جیٹ" کے معنی "دھار" کے ہوتے ہیں۔ جیٹ طیارے میں گیس کی دھار تیزی سے

باہر نکلتی ہے اور طیارہ مخالف سمت میں زور سے آگے بڑھتا ہے۔ اس کی رفتار اتنی زیادہ ہو جاتی ہے کہ آواز کی رفتار سے بھی بڑھ جاتی ہے۔ یوں تو جیٹ پروازوں کا شور خود ہی زیادہ ہوتا ہے، لیکن جب کوئی طیارہ آواز کی رفتار سے آگے بڑھتا ہے تو بڑے زور کا شور پیدا ہوتا ہے۔ آپ نے شاید اسی آواز کو "دھماکا خیز" کہا ہے۔

س: کافی عرصہ پہلے ہم نے "اِسکائی لیب" کا نام سُنا تھا کہ یہ ایک خلائی اسٹیشن ہے، جو زمین پر گر پڑے گا اور جہاں گرے گا ہزاروں کی آبادی کو لپیٹ میں لے لے گا۔ آپ ہمیں تفصیل سے بتائیے یہ کیا چیز تھی۔ اسے زمین پر گرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟

خالد محمود ناز، جلال پور بھٹیاں

ج: اسکائی لیب (SKYLAB) ہو یا کوئی دوسرا مصنوعی سیارہ، سب زمین کی کشش کے تحت زمین کے چاروں طرف گھومتے ہیں۔ انھیں ابتدا میں راکٹ کے ذریعہ سے زور کا دھکّا دیا جاتا ہے، جو انھیں زمین سے دُور لے جانے کی کوشش کرتا ہے، لیکن زمین اپنی کشش سے انھیں نیچے گرانے کی کوشش کرتی ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ نہ تو وہ زمین سے دُور جاتے ہیں اور نہ زمین پر گرتے ہیں، بلکہ زمین کے چاروں طرف گھومنے لگتے ہیں۔ اسکائی لیب بھی ایک طرح کا مصنوعی سیّارہ تھی، جو زمین کے چاروں طرف گھومتی رہی۔ اس میں خود کار سائنسی آلات لگے ہوئے تھے اور مقصد تھا سائنسی تجربات۔ اس لیے اُسے لیبورٹری یا مختصر طور پر "لیب" کہا گیا۔ وہ کافی عرصے زمین کے چاروں طرف گردش کرتی رہی، نیچے نہیں گری۔ یاد رکھیے کہ اگر کوئی گھومنے والا جسم زمین پر گرے گا بھی تو آبادی کو کسی قسم کا کوئی نقصان نہیں پہنچے گا، کیوں کہ وہ زمین کے ساتھ رگڑ کھا کر شہاب کی طرح پہلے ہی جل بُھن کر ختم ہو جاتے گا۔ زمین تک آنے کی نوبت نہیں آئے گی۔ اب تک خلا میں سیکڑوں مصنوعی سیّارے چھوڑے جا چکے ہیں، لیکن وہ سب کے سب باقی نہیں ہیں۔ وہ کچھ دن زمین کے چاروں طرف گردش کرتے رہے پھر نیچے آکر ہوا کے ساتھ رگڑ کھا کر ختم ہو گئے۔ کسی کو پتا بھی نہیں چلا کہ وہ کہاں گئے۔ سائنس داں بعض خلائی اسٹیشن کو زمین پر اُتار بھی لیتے ہیں۔ جن میں انسان سوار ہوتے ہیں۔ اُن کی واپسی

میں کوئی دقّت نہیں ہوتی، چاہے وہ اِسکائی لیب ہو یا کوئی دوسرا خلائی اسٹیشن۔

س: شدید گرمی کے موسم میں ہوا کے بگولے کیوں اُٹھتے ہیں؟ محمد اعظم حمیدی، کراچی
ج: گرمیوں کے موسم میں زمین گرم ہو جاتی ہے۔ ریتیلی زمین اور بھی زیادہ گرم ہو جاتی ہے۔ اُسے چھونے والی ہوا بھی گرم اور ہلکی ہو جاتی ہے۔ یہ ہوا اوپر اُٹھ جاتی ہے اور نیچے ایک طرح کا خلا رہ جاتا ہے، جسے بھرنے کے لیے چاروں طرف کی ہوائیں اُدھر آتی ہیں۔ وہ چکّر کاٹتی ہیں۔ ان سب کے چکّر سے بگولا بن جاتا ہے۔

س: گرگٹ رنگ کیوں بدلتا ہے؟ کیا اُس کے جسم میں رنگ بھرے ہوتے ہیں؟
بابر سلیم، گجرات
ج: جان داروں میں رنگ کا مقصد اپنے شکار پر حملہ کرنا یا اپنے دشمن سے بچنا ہوتا ہے۔ آپ جانتے ہوں گے کہ بہت سی چڑیوں اور کیڑوں مکوڑوں کا رنگ وہی ہوتا ہے جو اُن درختوں یا گھاس پھوس کا ہوتا ہے، جس میں وہ رہتے ہیں۔ گرگٹ بھی چھوٹے کیڑوں کا شکار کرتا ہے اور اُسے اپنے دشمنوں سے خطرہ بھی لاحق رہتا ہے۔ اُس کے جسم میں رنگ تو نہیں بھرے ہوتے، لیکن وہ ضرورت کے مطابق اپنی کھال کا رنگ بدل سکتا ہے۔ اسی لیے گرگٹ کی طرح رنگ بدلنا مثل بن گئی۔

س: بُلٹ پروف لباس اور بُلٹ پروف شیشے کیسے بنائے جاتے ہیں؟
محسن رجب علی، نواب شاہ
ج: بلٹ پروف کا مطلب ہے وہ چیز جس پر رائفل یا بندوق کی گولی اثر نہ کرے۔ یہ لباس یا کاروں کے شیشے اُن لوگوں کے لیے بنائے گئے ہیں جن کی زندگی کو دشمنوں سے خطرہ لاحق رہتا ہے اور عوام کے سامنے آکر تقریریں کرتے ہیں۔ کھُل کر کھڑے ہوتے ہیں۔ اس لباس میں اور شیشے میں ایسی چیز لگائی جاتی ہے جو گولی کا اثر نہیں لیتی۔ شیشہ اتنا مضبوط بنایا جاتا ہے کہ گولی لگنے سے بھی اُس میں بال نہیں پڑتا۔

بوجھو تو جانیں

اس بچّے کو اندیشہ ہے کہ کہیں ان جھاڑیوں میں سانپ چھپے ہوئے نہ ہوں۔ سانپ بہرا ہوتا ہے، لیکن وہ زمین کی ذرا سی تھرتھراہٹ بھی محسوس کر لیتا ہے اس لیے جیسے بچّہ قدم بڑھائے گا سانپ اپنے بلوں سے نکل آئیں گے۔ خیر آپ یہ بتایئے کہ ان جھاڑیوں میں کتنے سانپ چھپے ہوتے ہیں۔

نیشنل ایکسچینج کمپنی

زیرِ انتظام

نیشنل بینک آف پاکستان

آپ کو بآسانی اور بلاتاخیر رقم گھر بھیجنے
کی خدمت

ابوظبی

شارع شیخ حمدان پوسٹ بکس ۳۸۸۸ ابوظبی
ٹیلکس ۲۳۰۴۴ این ای سی ای ایم
فون ۲۱۳۸۴۹ - ۲۱۳۸۴۱

(۲) ابوظبی سب وے برانچ
پوسٹ بکس ۳۸۸۸ ابوظبی (یو اے ای)
ٹیلکس ۲۳۰۴۴ این ای سی ای ایم
فون ۳۳۶۰۹۵

العین

شیخ مریم بلڈنگ نزد کلاک ٹاور
پوسٹ بکس ۱۹۸۱ مین روڈ، العین (یو اے ای)
ٹیلکس ۳۴۰۷۵ این ای سی اے آئی این ای ایم
فون ۶۴۲۴۹۹

دُبئی

نائف روڈ، ڈیرہ دُبئی (یو اے ای)
ٹیلکس ۴۶۹۷۷ این ای سی ڈی ای ایم
فون ۲۱۲۳۶۶

شارجہ

رولا اسکوائر، العروبہ اسٹریٹ
پی او بکس ۴۲۲۷ شارجہ (یو اے ای)
ٹیلکس ۶۸۸۷۱ این ای سی ایس ایچ جے ای ایم
فون ۳۵۹۴۰۴

سے

نیشنل بینک آف پاکستان کی ۱۴۰۰ سے زائد شاخوں
کے ذریعہ مہیا کرتی ہے۔

الشركة الوطنية للصرافة
National Exchange Company

United

PID-I-10/85

مگر فسادِ خون سے بچنے کے لئے صافی بہتر ہے

خون میں سرایت کئے ہوئے فاسد مادے
پھوڑے پھنسیوں اور کئی دوسری جِلدی بیماریوں
کو جنم دیتے ہیں - ان سے بچنے کے لئے صافی باقاعدگی
کے ساتھ استعمال کیجئے - خون کی صفائی اور جِلدی
بیماریوں سے محفوظ رہنے کا مفید ذریعہ ہے -

جڑی بوٹیوں
سے تیار شدہ

صافی

ہمدرد

سے خون بھی صاف، جلد بھی صاف

گھوڑے کا تعارف

یوسف ناظم

گھوڑا انسان کا بہت قریبی دوست ہے۔ کتّے کی طرح وہ جگری دوست تو نہیں ہے، لیکن ہے یہ بھی بہت عزیز دوست۔ اصل میں ہوا کیا کہ کتّا وفاداری کے معاملے میں بہت مشہور ہو گیا۔ اتنا مشہور ہو گیا کہ جسے بھی دو کمروں اور ایک چھوٹے سے دالان کا گھر ملا وہ کتّا پالنے لگا۔ ورنہ دیکھا جائے تو کتّا پچھلے زمانے میں اتنا اہم جانور نہیں تھا۔ تھا لیکن بس ایک حد تک۔ آج کی دنیا میں تو کتّوں کا یہ حال ہے کہ کاروں میں گھومتے ہیں، آیائیں ان کے لیے الگ سے نوکر رکھی جاتی ہیں۔ انھیں دن میں دو مرتبہ صابن سے نہلاتی دھلاتی ہیں۔ وہ تو اچھا ہوا کتّے لباس وغیرہ نہیں پہنتے ورنہ ان کے لیے طرح طرح کے لباس بھی سِلنے لگتے۔ کتّوں کے لیے یہ سارے چونچلے اس لیے کیے جاتے ہیں کہ کتّا تھوڑی بہت جاسوسی بھی کر لیتا ہے۔ سونگھ کر بتا سکتا ہے کہ چور کدھر بھاگا ہے بلکہ زیادہ

سمجھ دار کتے تو اس جگہ تک بھی پہنچا دیتے ہیں جہاں چور یا ڈاکو چھپا ہوا ہو۔ اسی لیے اب پولیس کے محکمے میں انھیں بھی رکھا جانے لگا، لیکن کتا چاہے کتنی ہی ترقی کیوں نہ کرے گھوڑا، گھوڑا ہی ہوتا ہے۔ جتنے بھی جانور ہم نے دیکھے ہیں اُن میں سب سے خوب صورت یہی گھوڑا ہوتا ہے، یعنی بڑے سائز کے جانوروں میں۔ ویسے چھوٹے جانوروں میں خرگوش کافی خوب صورت ہوتا ہے، نرم بھی ہوتا ہے۔ اُسے گود میں لو تو ایسا معلوم ہوتا ہے ریشمی روئی کا کوئی تکیہ گود میں رکھا ہے۔ اس کی طرح بلّی بھی خوش شکل اور ملائم ہوتی ہے۔ اس کے پنجے تکلیف دیتے ہیں، لیکن اس کے باوجود بلّی ہر دل عزیز جانور ہے۔ آسانی سے پل جاتی ہے۔ خرچ اس پر زیادہ ہوتا نہیں ہے، بلکہ ایک طرح سے دیکھا جائے تو یہ خرچ بچاتی ہے۔ بلّی گھر میں موجود ہو تو چوہے بھاگ جاتے ہیں۔ جو رہنے کی کوشش کرتے ہیں بلّی انھیں کھا جاتی ہے، اس لیے چوہوں سے جو مالی نقصان پہنچ سکتا ہے۔ اس کی وجہ سے نہیں ہونے پاتا۔ حساب کیا جائے تو بلّی تقریباً مفت ہی پڑتی ہے، لیکن ہم یہ بلّی کی داستان کہاں سے لے کر بیٹھ گئے۔ ہم تو گھوڑے کی بات کر رہے تھے۔ پہلے زمانے میں راجے مہاراجے، بادشاہ سلامت، سب ہی گھوڑوں پر بیٹھا کرتے تھے۔ آدھی سے زیادہ فوج گھوڑ سوار فوج ہوا کرتی تھی۔ پیدل فوج تو صرف اس لیے رکھی جاتی تھی کہ جنگ کا میدان بھرا بھرا نظر آئے ورنہ اصل جنگ وہی سپاہی لڑتے تھے جو گھوڑوں پر سوار ہوتے تھے۔ شکار پر جانا ہو تو یہی گھوڑے کام آتے تھے۔ اس زمانے میں جیپ گاڑیاں کہاں ہوتی تھیں۔ شادی کے کٹھن وقت پر دولھے کا اگر کوئی دوست اور ہمدرد ہوتا تو یہی گھوڑا ہوتا۔ گھوڑے پر بیٹھا ہوا دولھا شان دار بھی بہت دکھائی دیتا تھا۔ موٹر میں بیٹھا ہوا دولھا تو نظر ہی نہیں آتا، بالکل دلھن معلوم ہوتا ہے۔ سب کی نظروں سے چھپا چھپا۔ گھوڑے کی وجہ سے دولھے کی شان دوبالا ہو جاتی تھی۔ گھوڑے کی لگام بھی دولھے کے ہاتھ میں رہتی تھی۔ اس سے لوگوں پر بڑا رعب پڑتا تھا اور سب کو یقین ہو جاتا تھا کہ یہ شخص زندگی کی گاڑی بھی چلا سکتا ہے۔ سڑکوں پر سے یہ دولھا گزرتا تو لوگ اپنے اپنے گھروں کی چھتوں پر چڑھ کر اسے دیکھتے تھے۔ کھڑکیوں اور دروازوں سے جھانکتے تھے۔ کبھی کبھی تو ایسا بھی ہوتا تھا کہ لوگ دولھے

کو کم دیکھتے تھے اور گھوڑے کو زیادہ۔ سجا سجایا گھوڑا زیادہ شان دار نظر آتا تھا۔ اب یہ سب کچھ نہیں ہوتا۔ زیادہ سے زیادہ سجی ہوئی موٹر دیکھ لو۔ معلوم ہی نہیں ہوتا کہ اس میں دولھا بیٹھا ہے یا دلھن۔ صرف شوفر کی ٹوپی دکھائی دیتی ہے۔

جنگ، شکار اور شادی بیاہ کے علاوہ گھوڑا دوسرے کاموں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ گھڑ دوڑ تو اب بھی ہوتی ہے۔ اس میں کتنا مزہ آتا ہے۔ گھوڑوں کی دوڑ میں حصّہ لینے والے گھوڑے بڑے خاندانی گھوڑے ہوتے ہیں اور ان کے ماں باپ بھی یہی کام کرتے تھے۔ ریس کے گھوڑوں کو بہت احتیاط سے پالا اور رکھا جاتا ہے۔ ان کے لیے باقاعدہ ایک استاد ملازم رکھنا پڑتا ہے۔ جو انھیں ٹھیک سے دوڑنا سکھاتا ہے۔ کہاں اپنی رفتار بڑھانی ہے، پانوں کیسے ڈالتے ہیں، کہاں اُچھلنا ہے۔ گردن کس طرح لمبی کرنی ہے وغیرہ وغیرہ۔ گھوڑوں کا استاد اپنے شاگردوں پر بہت محنت کرتا ہے۔ گھوڑوں کو ہوم ورک نہیں دیا جاتا۔ ساری تعلیم استاد کے سامنے ہوتی ہے۔ ریس جیتنے والے گھوڑے تو دُور سے پہچان لیے جاتے ہیں۔ ان کی چال ڈھال سے ہی معلوم ہوجاتا ہے کہ آج کی بازی انھی کے ہاتھ ہے۔ ریس میں اگر گھوڑا جیت جاتا ہے تو اس کے مالک کے گھر میں دولت ہی دولت آجاتی ہے۔ اتنی کہ گھر میں رکھی نہیں جاسکتی۔ بینک میں لے جاکر رکھنی پڑتی ہے۔ ریس کے گھوڑوں کے فوٹو بھی کھینچے جاتے ہیں۔ ان کے ساتھ ان کے مالک کی تصویر بھی کھنچ جاتی ہے۔ فائدہ ہی فائدہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ گھوڑوں کے مالک ان گھوڑوں کو اپنی اولاد سے زیادہ چاہتے ہیں۔ ان کی ہر ضد پوری کرتے ہیں۔ اعلا سے اعلا چارا کھلاتے ہیں۔ کیا پتا بادام، پستے اور اخروٹ بھی کھلاتے ہوں۔ پتا چلے بھی تو کیسے چلے۔ ان گھوڑوں کو ایسے اصطبل میں رکھا جاتا ہے جس کے دروازے پر باوردی چوکی دار پہرہ دیتے رہتے ہیں۔ صرف پہرا دیتے رہیں یہ چوکی دار تو کوئی حرج نہیں، لیکن ان کے ہاتھ میں بندوق بھی ہوتی ہے۔ ان گھوڑوں کی اتنی ہی حفاظت کرنی پڑتی ہے۔ اصطبل میں کام کرنے والوں کو سیاہ شیشوں کے چشمے لگاکر کام کرنا پڑتا ہے تاکہ اِن میں سے کسی کی نظر کسی گھوڑے کو نہ لگ جائے۔

پھر وہ گھوڑا بھی تو ہے جو بگھی میں جوتا جاتا ہے۔ یہ بھی قیمتی گھوڑا ہوتا ہے۔ اس

کی بھی کافی خاطر تواضع کرنی پڑتی ہے۔ گھوڑا جتنا تن درست و پہلوان قسم کا ہوگا اتنی ہی زیادہ کمائی ہو گی۔ کرائے کی بگھی میں بیٹھنے سے پہلے لوگ گھوڑے کا معائنہ کرتے ہیں۔ بگھی کی خوب صورتی کو نہیں دیکھتے نہ کوچوان کی مونچھیں دیکھتے ہیں۔ تانگے کے گھوڑے کی عزت ذرا کم ہوتی ہے بلکہ کہنا چاہیے ہوتی ہی نہیں ہے۔ شہر کے سارے مریل گھوڑے تانگوں ہی میں جوتے جاتے ہیں۔ لوگ مجبوری کی وجہ سے اس میں بیٹھتے ہیں، لیکن بعد میں افسوس کرتے اور کہتے ہیں کہ اس تانگے میں بیٹھ کر گھر آنے سے تو اچھا تھا کہ ہم اسٹیشن سے پیدل ہی چلے آتے۔ (پھر سامان کا کیا کرتے۔ ڈھیروں تو سامان ساتھ لے کر سفر پر نکلتے ہیں۔) گھوڑا کتنا ہی گیا گزرا نہ ہو اسے کھلانا پلانا ہی پڑتا ہے۔ انھیں کھلانے پلانے کے لیے کتنے جتن کرنے پڑتے ہیں۔ یہ تو تانگا چلانے والے ہی جانتے ہیں۔

سرکس میں بھی سب سے زیادہ کمال دکھانے والا ہی گھوڑا ہوتا ہے۔ بچے بھی جتنے شوق سے گھوڑوں کی پیٹھ پر سوار ہوتے ہیں کسی اور جانور کی پیٹھ پر نہیں ہوتے۔ سمندر کے کنارے بھی بچے سب گھوڑے کی سواری کریں گے اور پھر کچھ کھائیں گے پییں گے۔ آدمیوں اور گھوڑوں میں کچھ فطری لگاؤ ہوتا ہے۔ یہ دونوں بہت جلد گھل مل جاتے ہیں اور معلوم ہوتا ہے کہ بہت گہرے دوست ہیں۔ مانا کہ گھوڑوں یا گھوڑے کے بچوں کو آدمی اپنی گود میں نہیں بٹھا سکتا، لیکن محبت کا صرف یہی ایک طریقہ نہیں ہے۔ گھوڑا اتنا سارا کام کرنے، دولت کمانے اور آدمی کا جی بہلانے کے باوجود اپنی حد میں رہتا ہے۔ سمجھتا ہے کہ وہ جانور ہے۔ یہ نہیں کہ کتے کی طرح آدمی کے برابر بیٹھا ہے، اسی میز پر کھانا کھا رہا ہے، اسی بستر میں سو رہا ہے اور دن بھر ڈرائنگ روم میں صوفے پر یوں بیٹھا رہتا ہے، جیسے یہ اسی کے لیے خریدا گیا ہے۔ مہمان بھی آجائیں تو یہ صوفے پر سے اٹھتا نہیں۔ جب دیکھو منھ سے زبان نکالے کھڑا رہتا ہے جیسے آنے جانے والوں کا منھ چڑا رہا ہو۔ رال بھی ٹپکتی ہے تو پروا نہیں کرتا۔ گھوڑا مہذب جانور ہے۔ کیا مجال جو مالک کی موجودگی میں کوئی بدتمیزی کرے۔ ٹانگیں پھیلا کر سو جائے یا بلا وجہ لوٹنے لگے۔ گھوڑے آوارہ بھی نہیں پھرتے۔ کبھی برسوں میں ایک آدھا گھوڑا یوں ہی بے مقصد گھومتا دکھائی دیتا ہے ورنہ سب اپنے اپنے کاموں میں مصروف رہتے ہیں اور اپنا وقت

ضائع نہیں کرتے۔ تازہ ہوا ان کو ضرور چاہیے، لیکن ایک ہوا کی خاطر وہ کوئی بُری عادت اختیار نہیں کر لیتے۔ یہی وجہ ہے کہ گھوڑوں کی ہر کوئی عزت کرتا ہے۔ کوئی گھوڑا اگر سڑک پر بازار میں نظر آ بھی جائے تو نہ اسے کوئی پتھر مارتا ہے نہ اس پر ہاتھ اُٹھاتا ہے۔ دوسرے جانوروں کے ساتھ یہ رعایت نہیں کی جاتی، انھیں فوراً مار بھگایا جاتا ہے۔ بعض جانوروں کے ساتھ پرندے بھی مذاق کرنے سے نہیں چوکتے۔ خاص طور پر کوّوں کو تو بھینسوں کی پیٹھ پر بیٹھنے میں بڑا لطف آتا ہے۔ یوں بیٹھتے ہیں جیسے یہ بھینس انھی کے لیے یہاں آکر ٹھیری تھی، لیکن گھوڑوں کے ساتھ یہ مذاق نہیں کیا جاتا۔ کوّے جانتے ہیں کہ یہ ایک باعزت جانور ہے اور اس کی پیٹھ پر بیٹھنے کا حق صرف آدمی کو ہے۔ بھینس وغیرہ کی بات اور ہے۔ آج تک کسی بھی سرکس میں بھینس نہیں لائی گئی۔ سوائے دودھ دینے کے وہ کچھ اور کر ہی نہیں سکتی۔ یہی اس کا کمال ہے اور اب تو دودھ بھی پتلا دینے لگی ہے۔ ویسے دیکھا جائے تو سب ہی کا حال پتلا ہے۔

گھوڑا اپنے مالک کے دُکھ درد کا بھی ساتھی ہوتا ہے۔ شادی کی برات کا گھوڑا تو کرائے کا گھوڑا ہوتا ہے، لیکن ذاتی گھوڑا بہت وفادار ہوتا ہے۔ جنگل میں یا کسی اور سنسان جگہ مالک کو کچھ ہو جائے، وہ گر پڑے یا بے ہوش ہو جائے یا کسی حادثے میں زخمی ہو جائے، تو گھوڑا اسے وہیں چھوڑ کر اپنے اصطبل کو نہیں چلا جاتا۔ اپنے مالک کو وہ اپنے مضبوط دانتوں کی مدد سے اُٹھا لیتا ہے۔ اور میلوں اسی طرح چل کر اسے گھر واپس لاتا ہے۔ (فلموں میں ہم نے یہی دیکھا ہے) لیکن سچ مچ ایسا ہوتا ہے۔ گھوڑے میں اتنی سمجھ بھی ہوتی ہے اور طاقت تو ہوتی ہی ہے۔

گھوڑے کے ساتھ بس ایک ہی مشکل ہے۔ اس کے لیے جوتے بنواتے پڑتے ہیں۔ انھیں نعل کہا جاتا ہے اور گھوڑا انھیں اُتار نہیں سکتا۔ یہ ایک مرتبہ اس کے پاؤں میں ٹھک گئے تو ٹھک گئے۔ برسوں کام دیتے ہیں۔ گھوڑے کی ٹاپ اسی لیے مشہور ہے۔ فرش پر چلتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ ہاں کوئی چل رہا ہے۔ ہاتھی جیسے جانور کے چلنے کی آواز نہیں آتی، لیکن چار چھے گھوڑے ایک ساتھ چلیں تو ان کی ٹاپوں کی آواز سے سارا میدان گونج اٹھتا ہے۔

پہچان

میاں عبدالرشید

ایک تھا بادشاہ۔ اس نے کسی اَن پڑھ عورت سے شادی کرلی۔ اب وہ عورت ملکہ بن گئی۔ اَن پڑھ تو تھی ہی ملکہ بن کر اِس کا دماغ خراب ہو گیا۔ وہ حکومت کے کاموں میں بھی جا و بے جا دخل دینے لگی۔ بادشاہ نے اسے سمجھانے کی کوشش کی کہ تمھارے بس کی بات نہیں۔ تم حکومت کے کاموں میں دخل نہ دو۔ مگر کچھ اثر نہ ہوا۔ اُلٹا اس نے بادشاہ سے یہ کہنا شروع کر دیا کہ آپ میرے بھائی کو اپنا وزیر بنالیں۔ حال آنکہ اس کا بھائی بھی اسی کی طرح اَن پڑھ تھا اور اس کی کوئی خاص تربیت بھی نہ تھی۔

ایک دن بادشاہ محل کے جھروکے میں بیٹھا تھا۔ آج کل کی زبان میں اُسے ٹیرس کہہ لیجیے۔ پرانے زمانے میں بادشاہ کبھی کبھی محل کے جھروکے میں بیٹھ کر لوگوں کو آتے جاتے اور کام کاج کرتے دیکھ کر اس سے عوام کی حالت کا اندازہ کیا کرتے تھے۔ اَن پڑھ ملکہ بھی پاس بیٹھی تھی۔ بادشاہ نے اُسے کہا، "اپنے بھائی کو بلاؤ!" ملکہ کا بھائی آگیا۔ اتنے میں دُور سے باجوں کی آواز سنائی دی۔ بادشاہ نے ملکہ کے بھائی سے کہا، "ذرا دیکھو یہ آواز کیسی ہے۔" ملکہ کا بھائی گیا اور واپس آکر کہنے لگا، "بادشاہ سلامت! ایک برات جا رہی ہے۔ اس کے ساتھ باجے بج رہے ہیں۔" بادشاہ نے کہا، "کس کی برات ہے؟" ملکہ کا بھائی گیا اور واپس آکر کہنے لگا، "فلاں شخص کے بیٹے کی برات ہے۔" بادشاہ نے پھر پوچھا، "برات کہاں سے آرہی ہے؟" ملکہ کا بھائی پھر دوڑا دوڑا گیا اور اس نے واپس آکر بتایا کہ فلاں محلّے سے برات آرہی ہے۔ بادشاہ نے پوچھا، "برات کہاں جا رہی ہے؟" وہ پھر دوڑا دوڑا گیا اور واپس آکر کہنے لگا، "برات فلاں محلّے میں جائے گی۔" بادشاہ نے پھر پوچھا، "کس کے گھر جائے گی؟" وہ پھر دوڑا دوڑا گیا اور اس نے

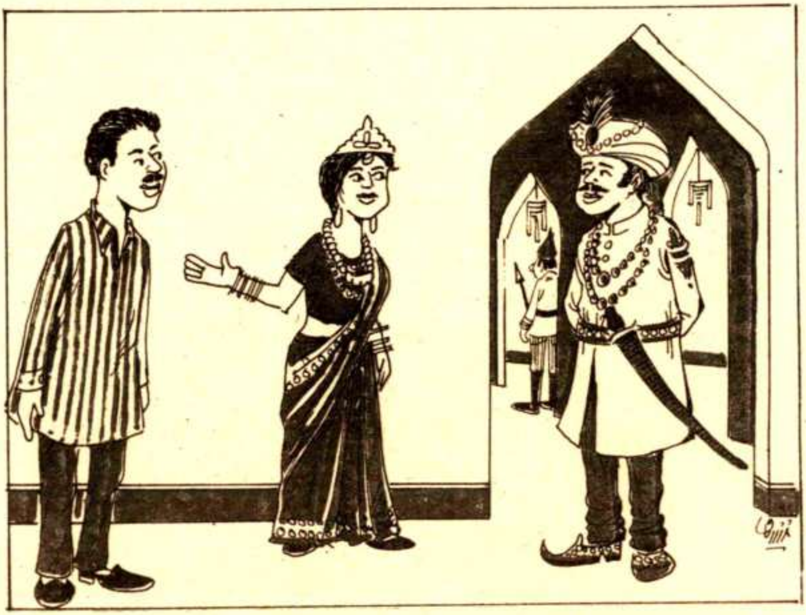

واپس آکر بتایا کہ فلاں شخص کے گھر جائے گی۔ بادشاہ نے اس سے کہا، "اچھا! آپ جائیے۔"

ان پڑھ ملکہ بادشاہ کے پاس بیٹھی رہی۔

پھر بادشاہ نے اپنے خادم سے کہا، "وزیر کو بلاؤ۔" وزیر آیا تو بادشاہ نے کہا، "وزیر صاحب! یہ باجوں کی آواز کہاں سے آرہی ہے؟" وزیر صاحب گئے اور تھوڑی دیر بعد واپس آکے بتایا کہ ایک برات ہے، فلاں شخص کے بیٹے کی شادی ہے، برات فلاں محلّے سے آرہی ہے، فلاں محلّے، فلاں شخص کے گھر جائے گی، برات کے ساتھ اتنے آدمی ہیں، دلہن کا حقِ مہر اتنا مقرر ہوا ہے۔"

اس کے بعد بادشاہ نے اپنی ان پڑھ بیگم سے مخاطب ہو کر کہا، "اپنے بھائی اور وزیر صاحب کا فرق دیکھا؟" "ہم مصروف لوگ ہیں چھوٹے چھوٹے کاموں پر اتنا وقت ضائع نہیں کر سکتے۔

پیارے بچّو! اگر آپ بڑے آدمی بننا چاہتے ہیں تو ابھی سے اپنے اندر یہ عادت پیدا کیجیے کہ آپ کو جس کام کے لیے بھیجا جائے اُس کے ہر پہلو پر غور کر کے اسے پوری طرح سے سر انجام دیں۔ دوسرے یہ کوشش کریں کہ کام کر کے آئیں۔ یہ نہیں کہ ذرا سی رُکاوٹ دیکھی تو گھر دوڑے آئے کہ یہ کام نہیں ہو سکتا، مثلاً امّی نے آپ سے کہا کہ فلاں دُکان سے یہ چیز لا دیں۔ آپ نے اتفاق سے دُکان کو بند پایا تو وہیں سے واپس آ گئے اور کہہ دیا کہ دُکان بند ہے۔ نہیں، آپ کوئی اور دُکان دیکھ لیں، وہاں سے چیز لے آئیں۔ مطلب یہ ہے کہ اپنی عقل اور کوشش کو پوری طرح استعمال کریں اور جس کام کے لیے آپ کو بھیجا جائے اُسے کر کے آئیں اور اچھے طریقے اور مکمل طریقے سے کر کے آئیں۔ اسی طرح اسکول کا کام بھی اچھے طریقے سے اور دل لگا کر کریں۔ بے پروائی اور سستی وہ بیماریاں ہیں جو انسان کے عظیم بننے کے راستے میں رُکاوٹ بن جاتی ہیں۔ اللّٰہ تعالیٰ آپ کو عظیم انسان بنائے اور قوم اور ملک کو آپ سے فائدہ پہنچے۔

ڈاک ٹکٹ جمع کرنے والے متوجّہ ہوں

اقوام متحدہ کا کتابچہ INTRODUCTORY GUIDE TO UN STAMPS مفت منگوائیں۔ اس کے علاوہ ۱۰۰ سے زائد ممالک میں قلمی دوستی کے لیے پتے بھی بالکل مفت حاصل کریں۔

مزید تفصیلات کے لیے رجوع کیجیے

YOUTH PHILATELIC SOCIETY FOR PAKISTAN

یوتھ فیلیٹیلک سوسائٹی برائے پاکستان

پوسٹ بکس نمبر ۸۱۷۹

کراچی ۳۸

تحفے

مُسکراتے جُملے ـــ عظیم اقوال ـــ انوکھے نکتے ـــ دل چسپ تحریریں

عزت

مرسلہ: محمد عاطف شیخ، نوابشاہ

کوئی شخص دین اور دنیا دونوں میں اس وجہ سے عزت نہیں پا سکتا کہ اس کے باپ دادا عزت دار تھے۔ آدمی کی عزت اس کی عادت اور اس کے مزاج سے ہے۔ ـــ ڈپٹی نذیر احمد

اعلا خیالات

مرسلہ: جے۔ آئی۔ ساغر، کراچی

* تحفہ: اپنے دوست کو ایسا تحفہ بھیجیے جس سے دو چیزیں واضح ہوں، ایک تو آپ کا خلوص، دوسرے آپ کا ذوق۔
* سوچ: کوئی چیز خود اچھی یا بُری نہیں ہوتی، یہ تو صرف ہماری سوچ پر منحصر ہے، کیوں کہ ہمارا خیال ہی اسے اچھا یا بُرا بناتا ہے۔
* محنت: یہ ممکن ہے کہ انسان کی پہلی محنت کا صلہ کچھ نہ ملے، لیکن یہ ناممکن ہے کہ وہ بار بار محنت کرے اور ناکام ہوتا رہے۔
* علم: تعلیم یافتہ آدمی کو جاہل پر وہی فوقیت حاصل ہے جو زندہ کو مُردے پر۔
* ارادہ: اکثر لوگ اتنا ہی خوش ہوتے ہیں جس حد تک خوش ہونے کا ارادہ کرتے ہیں۔

شعر

مرسلہ: ارم عنبرین، کراچی

فریبِ وقت نے گہرا حجاب ڈالا ہے\
وہاں بھی شمع جلا دو جہاں اُجالا ہے

ـــ نازش حیدری

ہاتھی کا صدمہ

مرسلہ: طارق محمود، کراچی

بہادر شاہ ظفر کے پاس مولا بخش نامی ایک ہاتھی تھا۔ وہ بہت وفادار تھا اور شاہی آداب کی سوجھ بوجھ رکھتا تھا۔ جب بادشاہ کو سواری کرنی ہوتی تو دو دن پہلے ہاتھی کو شاہی فرمان سُنایا جاتا، جس کے بعد وہ خوب نہاتا اور دربار میں حاضری دیتا۔ جب بہادر شاہ کو معزول کیا گیا اور یہ ہاتھی ایک انگریز حاکم کے زیرِ نگرانی آگیا تو صدمے سے اس نے کھانا پینا چھوڑ دیا۔ جب اس حاکم کو یہ بات معلوم ہوئی تو وہ خود مٹھائی کی ٹوکری لے کر اس کے پاس گیا۔ ہاتھی نے غصّے میں ٹوکری اُٹھا کر پھینک دی۔ اس پر انگریز کو غصّہ

آگیا۔ اس نے اس کو نیلام کروادیا۔ ایک بنیے نے ڈھائی سو روپے کی بولی پر اسے خرید لیا۔ ہاتھی یہ صدمہ برداشت نہ کرسکا اور وہیں گر کر مر گیا۔

گھڑی کس کام کی

مرسلہ: افشاں جبیں، کراچی

ایک صاحب نے تقریر شروع کی تو مسلسل ڈھائی گھنٹے تک بولتے رہے۔ ہال میں سامعین نے جماہیاں لینی شروع کر دیں۔ بہت دیر بعد انھوں نے کہا:

"میں معذرت چاہتا ہوں، میرے پاس گھڑی نہیں ہے۔ شاید میں آپ کا زیادہ وقت لے رہا ہوں۔"

سامعین میں سے آواز آئی:

"گھڑی آپ کے کس کام کی؟ آپ کے پیچھے دیوار پر کیلنڈر لگا ہوا ہے وہ دیکھ لیں۔"

یہ کیا ہے

مرسلہ: محمد رمضان صابر، قائد آباد

ایک دفعہ مولانا روم کے چاروں طرف کتابیں بکھری پڑی تھیں اور آپ لوگوں کو نصیحت فرما رہے تھے کہ اچانک اس مجلس میں ایک پریشان حال شخص داخل ہوا اور کتابوں کی طرف اشارہ کرکے پوچھا "یہ کیا ہے؟"

مولانا روم نے جواب دیا "یہ وہ چیز ہے جسے تم نہیں جانتے ہو۔"

اجنبی نے غور سے مولانا روم کو دیکھا اور کتابیں اُٹھا کر حوض میں پھینک دیں۔ مولانا روم غصے سے کانپنے لگے اور فرمایا "یہ تم نے کیا غضب کیا؟ ان کتابوں کی قیمت کا تمھیں اندازہ نہیں۔ انھیں خریدنے کے لیے کسی بادشاہ کا خزانہ بھی ناکافی ہے۔" اجنبی نے مسکراتے ہوئے پانی میں ہاتھ ڈال کر تمام کتابیں نکال لیں۔ تمام کتابیں خشک تھیں اور ان پر پانی کی ایک بوند بھی نہ تھی۔ مولانا روم نے حیرت سے پوچھا "یہ کیا ہے؟" اجنبی یہ کہتا ہوا چلا گیا "یہ وہ ہے جسے تم نہیں جانتے۔" اجنبی کے جاتے ہی مولانا روم کا بُرا حال ہو گیا اور آپ اسی وقت اس اجنبی کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے۔ دُور دُور تک تلاش کے بعد آخر آپ نے اسے پالیا۔ یہ اجنبی حضرت شمس تبریز تھے۔ حضرت مولانا روم حضرت شمس تبریز کی صحبت میں کافی عرصہ رہے اور ان سے اس قدر فیض حاصل کیا کہ روحانی دنیا میں آپ کا مقام بلند ہو گیا۔

وکیل کی فیس

مرسلہ: تنویر عباس ہاشمی، پسرور

بس کی ٹکّر سے ایک آدمی کے جسم پر چند خراشیں آگئیں۔ وہ بھاگتا ہوا اپنے وکیل کے پاس گیا اور اس سے کہا کہ وہ فوراً بس کمپنی پر مقدمہ دائر کردے۔ مقدمہ دائر ہوا اور وہ شخص جیت گیا۔ عدالت نے بس کمپنی سے اس کو پانچ سو روپے دلوائے۔ عدالت برخواست ہوتی۔ وکیل اس آدمی کے پاس آیا اور اس

کے ہاتھ پر ایک رُپیہ رکھ دیا۔ آدمی نے حیرت سے پوچھا، یہ کیا ہے؟ وکیل نے کہا، عدالت کی طرف سے تمھیں جو ہرجانہ دلوایا گیا تھا، اُس میں سے اپنی فیس کاٹ کر باقی رقم تمھارے حوالے کر رہا ہوں۔ اس آدمی نے رُپے کو اُلٹ پلٹ کر دیکھتے ہوئے کہا، "یہ رُپیہ کیوں واپس کر دیا، کہیں کھوٹا تو نہیں؟"

الفاظ کی تاثیر

مرسلہ: محمد خورشید احمد، کراچی

روایت ہے کہ ایک بار شیخ نجم الدین کبریٰ ایک شہزادے کے سرہانے تشریف فرما تھے۔ شہزادہ بیمار تھا۔ آپ کچھ پڑھ پڑھ کر اس پر دَم کر رہے تھے۔ اسی اثنا میں وہاں حکیم بوعلی سینا بھی آ گئے۔ اور دیکھا کہ شیخ نجم الدین کبریٰ بڑی یک سوئی کے ساتھ بیمار شہزادے پر کچھ پڑھ کر دَم کیے جا رہے ہیں۔ بوعلی سینا نے ان سے کہا، "اس سے کیا ہوتا ہے؟"

شیخ نجم الدین کبریٰ نے کہا، "آپ نادان اور جاہل ہیں۔" یہ سُن کر بوعلی سینا کا چہرہ غصّے سے لال ہو گیا۔ جناب نجم الدین نے یہ کیفیت دیکھی تو آہستہ سے کہا، "آپ بتائیے کہ الفاظ کی تاثیر کا یقین ہوا یا نہیں؟

بوعلی سینا نے پوچھا، "وہ کیسے؟"

شیخ نجم الدین نے کہا، "ابھی ابھی میں نے آپ کو نادان اور جاہل کہا تھا۔ یہ الفاظ ہی ہیں، جن سے آپ کا چہرہ سرخ اور دورانِ خون تیز ہو گیا تھا۔"

صحّت مشاہیر کی نظر میں

مرسلہ: محمد عامر خان، شاہ پور چاکر

* کوئی دولت صحتِ جسمانی اور کوئی نعمت استغنا سے بڑھ کر نہیں۔ (حکیم لقمان)

* ابتدائی مرض کو حقیر نہ سمجھو، وہ آگ کی چنگاری ہے، جو شعلہ بن جاتی ہے۔ (عنتری)

* جب تک بھوک بے تاب نہ کر دے اُس وقت تک کھانا نہ شروع کرو۔ (بقراط)

* حقیقی تونگری بدن کی صحّت ہے۔ (سقراط)

اگر صحت کی کمی ہو تو علم و عقل دونوں کچھ نہیں کر سکتے طاقت غیر موثر، دولت بے کار، اور فصاحت و بلاغت بے اثر ہوتی ہے۔

(ایک قدیم یونانی فلسفی)

* ہمیشہ ایک ہی قسم کی غذا کھانے سے پرہیز کرو۔ (عنتری)

* انسان کا بدن حوض ہے اور رگیں اس کی نالیاں اگر ان میں صحت بخش اجزا جائیں گے تو بدن تن درست رہے گا اور اگر مفرت رساں اجزا جائیں گے تو حوض گندا (بدن بیمار) ہو جائے گا۔

(عبد الملک بن الجر کنانی)

معاہدہ

مرسلہ: لیاقت علی، راول پنڈی

ایک بڑی تقریب میں دو مزاحیہ فن کاروں

کو بُلایا گیا۔ تقریب کے آخر میں ایک مزاحیہ فن کار کھڑا ہوا اور آدھے گھنٹے تک لوگوں کو ہنساتا رہا۔ اب دوسرے کی باری تھی۔ وہ آیا اور کہنے لگا:

"حضرات! تقریب سے پہلے ہم دونوں نے یہ معاہدہ کر لیا تھا کہ یہ میرے آئیٹم سے آپ کو ہنسائیں گے اور میں ان کے۔ اب آپ میرے آئیٹم سے تو ہنس چکے۔ بے حد شکریہ، لیکن مجھے اپنے ساتھی سے معذرت خواہ ہونا ہے، کیوں کہ ان کے آئیٹم میں گھر بھول آیا ہوں۔"

استاد کا ادب

مرسلہ: اعجاز حسین

عباسی خلیفہ ہارون الرشید نے اپنے بیٹے امین کو مشہور عالم حضرت اصمعیؒ کے پاس علم و ادب سیکھنے کے لیے بھیجا تھا۔ ایک روز خلیفہ بھی اصمعیؒ کے گھر بغیر اطلاع دیے پہنچ گئے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ خلیفہ کا لڑکا پانی ڈال رہا ہے اور اصمعیؒ وضو کر رہے ہیں اور پیر دھو رہے ہیں۔ خلیفہ کو اصمعیؒ کی اس بات پر غصّہ آیا اور کہا کہ میں نے اس کو آپ کے پاس علم و ادب سیکھنے کے لیے بھیجا ہے، پھر آپ نے اس کو یہ حکم کیوں نہیں دیا کہ ایک ہاتھ سے پانی ڈالے اور دوسرے ہاتھ سے آپ کے پیر دھوتے۔ بعد میں ہارون الرشید نے اپنے بڑے بیٹے مامون الرشید کو بھی اصمعیؒ کی خدمت میں بھیج دیا تھا۔ ان دونوں بچّوں، مامون اور امین کا یہ حال تھا کہ جب حضرت اصمعیؒ مسجد سے نکلنے کا ارادہ کرتے تو دونوں شہزادے ان کی جوتیاں اٹھانے کے لیے دوڑتے اور ہمیشہ ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرتے۔

شکایت اور پسند

مرسلہ: محمد صدیق صابری، ناصرہ تبسم، سوڈی گوجر

* مجھے شکایت ہے اپنی مرغی سے جو دانہ دُنکا تو ہمارے گھر میں کھاتی ہے، مگر انڈے پڑوسیوں کے گھر دیتی ہے۔

* مجھے پسند ہے وہ دوست جو جھوٹ بالکل نہ بولے، بڑوں کا ادب کرے، غریبوں کی مدد کرے، مصیبت کے وقت دوسروں کی مشکلات رفع کرے اور جہاں تک ممکن ہو سکے دوسروں کے علم میں اضافہ بھی کرے۔

بصدِ خلوص

مرسلہ: زاہد حسین، کراچی

جارج برنارڈ شا ایک پرانی کتابوں کی دُکان میں گئے۔ وہاں اتفاق سے انھیں اپنے ڈراموں کا مجموعہ نظر آگیا۔ کتاب پر خود ان کے ہاتھ سے لکھا ہوا تھا:

"جارج برنارڈ شا کی طرف سے بصدِ خلوص۔"

"یہ کتاب برنارڈ شا نے کچھ ہی دن پہلے اپنے ایک دوست کو تحفے میں دی تھی۔ اب انھوں نے یہ کتاب خرید لی اور اس پر لکھا، "جارج برنارڈ شا کی طرف سے دوبارہ بصدِ خلوص۔" ان الفاظ کے ساتھ کتاب پھر انھی دوست کو بھیج دی جنھیں پہلے بھیجی تھی۔

مستقل پڑھنے والوں کے لیے ایک تحفہ

ہمدرد نونہال کے ہزاروں پڑھنے والے ایسے ہیں جو برسوں سے پابندی کے ساتھ رسالہ خرید کر پڑھتے ہیں۔ ہمیں خوشی ہے کہ ہم اُن کے لیے ہر ماہ عمدہ عمدہ کہانیوں، معلومات اور تفریحات کا گُل دستہ پیش کرتے ہیں، لیکن اب فیصلہ کیا گیا ہے ہمارے ایسے مُستقل دوستوں کو کوئی تحفہ بھی پیش کیا جائے۔

جنوری ۱۹۸۵ء سے رسالے میں ایک کوپن لگایا جارہا ہے۔ یہ تعلیمی تحفے کا کوپن ہے اور ہر مہینے لگایا جائے گا۔ اس کوپن کی صفائی سے خانہ پُری کیجیے اور کاٹ کر اپنے پاس محفوظ رکھ لیجیے۔ جب بارہ کوپن ہو جائیں تو آپ احتیاط سے ہمیں بھیج دیجیے۔ ہم آپ کو مندرجہ ذیل مفید و دل چسپ کتابوں میں سے جو کتاب آپ کو پسند ہوگی وہ بھیج دیں گے:

(۱) جاگو جگاؤ، از حکیم محمد سعید (۲) چالاک خرگوش کے کارنامے، از معراج (۳) قصہ اژدہا پکڑنے کا، از محمود علی اسد و دیگر (۴) چند مشہور طبیب اور سائنس دان، از حکیم محمد سعید و دیگر (۵) ابو علی کا جوتا، از عبدالمجید نظامی و دیگر (۶) صحت کی الف بے، از مسعود احمد برکاتی (۷) ننھا سیاح، از محمد زکریا مائل (۸) غذائیں دوائیں، از ادارۂ ہمدرد نونہال (۹) سنہرے اصول، از حکیم محمد سعید (۱۰) ایک وحشی لڑکے کی آپ بیتی، از علی اسد (۱۱) کھلونا نگر، از غازی کمال رشدی (۱۲) ننھا سراغ رساں، از مسعود احمد برکاتی و دیگر (۱۳) پُراسرار غار، از میرزا ادیب و دیگر

ان میں سے جو کتاب بھی آپ کو پسند ہو اُس کا نام کوپنوں میں لکھ دیجیے۔ بارہ کوپنوں میں سے ہر کوپن کی خانہ پُری کیجیے تاکہ کوئی دوسرا اُن سے فائدہ نہ اُٹھا سکے۔ اس کے علاوہ یہ فیصلہ بھی کیا گیا ہے کہ بارہ کوپن جمع کرکے بھیجنے والے اگر ہمدرد فاؤنڈیشن پریس کی شائع کردہ کتابیں خریدنا چاہیں تو اُن سے ۲۵ فی صد قیمت کم لی جائے۔

مئی ۱۹۸۵ء

کوپن علمی تحفہ

میں ہمدرد نونہال مُستقل پڑھنے اور خریدنے والا/والی ہوں اور بارہ کوپن جمع کرکے بھیج رہا/رہی ہوں۔ مہربانی کرکے مجھے مندرجہ ذیل کتاب علمی تحفے کے طور پر بھیج دیجیے۔

نام کتاب: ____________________

نام: ____________ عُمر: ______ تعلیم: ____________

پتا: ____________________

____

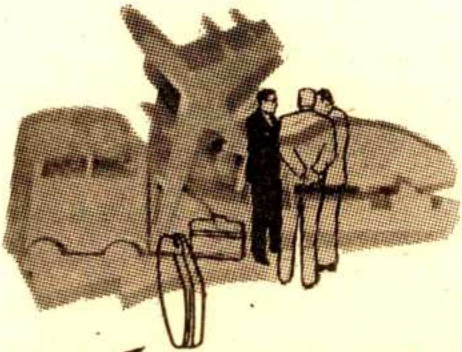

سفر میں کارمینا ساتھ رکھیئے

سفر مختصر ہو یا طویل سفر کی تکان، آب وہوا
اور کھانے پینے کے معمول میں تبدیلی عموماً
نظامِ ہضم کو متاثر کرتی ہیں۔
دورانِ سفر اپنی غذا کا خاص خیال رکھیئے۔
اناپ شناپ اور مرچ مسالے دار
اشیائے خوردنی سے پرہیز کیجیے۔
بدہضمی، قبض، گیس، سینے کی جلن
اور تیزابیت وغیرہ کی صورت میں
کارمینا استعمال کیجیے۔

کارمینا

نظامِ ہضم کو بیدار کرتی ہے، معدے
اور آنتوں کے افعال کو منظم و درست کرتی ہے

کارمینا ہمیشہ گھر میں رکھیئے

ہمدرد
ہم خدمتِ خلق کرتے ہیں

آوازِ اخلاق
دیانت داری خود اعتمادی پیدا کرتی ہے

Adarts CAR-2/82

ہر دم آگے بڑھتے جاؤ

خان زادہ سمیع الوری

پہلے خود اچھے بن جاؤ — پھر اوروں کو نیک بناؤ
اچھی عادت پیدا کر لو — عِلم سے اپنا دامن بھر لو
دنیا میں اچھے کہلاؤ — عزّت پاؤ شہرت پاؤ
ہر اک پر احسان کرو تم — خود اپنی پہچان بنو تم
اچھے کام کرو دنیا میں — پیدا نام کرو دنیا میں
نیکی سے تم نیک بنو گے — اور بدی سے دُور رہو گے
سب کی عزّت کرنا سیکھو — حق کی خاطر مرنا سیکھو
حال بھی ہے رخشندہ تم سے — مستقبل تابندہ تم سے
وطن تمھاری جان ہے بچّو — اس سے سب کی شان ہے بچّو

ہر دم آگے بڑھتے جاؤ
اور اپنی منزل کو پاؤ

اخبارِ نونہال

دو سو پیالی چائے

ایران کے اخبار "کیہان انٹرنیشنل" کے مطابق ایران کے شہر "تبریز" کا رہنے والا ایک شخص اصغر مہدی روزانہ چائے کے دو سو کپ پیتا ہے ۔ اصغر مہدی کا کہنا ہے کہ میرا کوئی شخص مقابلہ نہیں کر سکتا۔

مرسلہ: محمد شاہد رسول، جام شورو

دنیا کا سب سے بڑا ڈھول

آسام (بھارت) کے ناگا قبائل کے پاس دنیا کا سب سے بڑا ڈھول ہے ۔ یہ ایک بہت بڑے درخت کے تنے کو کھوکھلا کر کے بنایا گیا ہے ۔ اس کے سائز کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس کو بہ یک وقت ۵۰ آدمی بجا سکتے ہیں ۔

مرسلہ: محمد ساجد، ملک وال

گنجا سر دیکھنے کی سزا

فرانس کا بادشاہ ہنری چہار دہم گنجا تھا۔ وہ دو مختلف قسم کی وِگ استعمال کرتا تھا۔ شاہی حجام کے سوا کسی کو اس کے گنجے سر کو دیکھنے کی اجازت نہیں تھی۔ رات کو سونے کے لیے وہ ایسی مسہری استعمال کرتا تھا جس کے چاروں طرف دُہرے پردے

لگے ہوئے تھے۔ سونے سے پہلے وہ وِگ اُتار کر پردے کی آڑ سے اپنے خادم کے حوالے کر دیتا۔ صبح وہی وِگ اسے اس طرح واپس کی جاتی کہ خادم کو اس کے جسم کا کوئی حصّہ نظر نہ آئے۔ ایک بار ایک خادم نے وِگ دیتے وقت پردے کو ضرورت سے ذرا زیادہ ہٹا دیا اور بادشاہ کا گنجا سر دکھائی دینے لگا۔ ہنری چہارم نے خادم کو اس جرم کی پاداش میں موت کے گھاٹ اُتار دیا۔

مرسلہ: سید علی اسد، اسلام آباد

مشینی ملازم

امریکا کی ایک فیکٹری میں مشینی انسان بنانے کا کام شروع ہو چکا ہے۔ یہ مشینی انسان گھریلو ملازم کی حیثیت سے کام کرے گا۔ اس کا قد پانچ فیٹ دس انچ ہو گا۔ یہ مشینی ملازم معلوم کرے گا کہ کون مہمان آیا ہے۔ گھر میں یہ بال بچّوں کی دیکھ بھال کرے گا۔ یہ برتن نہیں دھو سکتا، البتہ چمچے وغیرہ پکڑ سکتا ہے۔ اس کے حافظے میں ڈھائی سو الفاظ کا ذخیرہ ہو گا۔ یہ کتّے کو سیر کرانے کے لیے باہر لے جائے گا، مگر اسے نہلا نہیں سکے گا۔ اگر اس کا کوئی پُرزہ خراب ہو جائے تو اس کی جگہ نیا پُرزہ لگایا جا سکے گا۔

مرسلہ: عبدالرزاق ندیم، نئی کراچی

سب سے بڑا انناس

جنوبی فلپین میں انناس کے ایک درخت میں ساڑھے سترہ پاؤنڈ کا پھل آیا ہے۔ اس سے پہلے اتنا بڑا انناس پیدا نہیں ہوا تھا۔ پچھلا رِکارڈ سترہ پاؤنڈ کا ہے، جو ۱۹۷۸ء میں افریقہ کے ملک کینیا میں ایک انناس کے درخت میں لگا تھا۔

مرسلہ: امداد علی داہو، روہڑی

معلوماتِ عامّہ

سلسلہ ۲۲۹

اس بار بھی سوالات کی تعداد بارہ ہے۔ دس یا زیادہ صحیح جوابات والوں کی تصویریں شائع کی جائیں گی۔ تصویریں نہ ہوئیں تو ان کے نام اور ۹ صحیح جوابات والوں کے صرف نام شائع کیے جائیں گے۔ جوابات ۱۵۔ مئی ۱۹۸۵ء تک بھیج دیجیے۔ جوابات کے کاغذ پر نیچے اپنے نام اور پتے کے علاوہ کچھ نہ لکھیے۔ تصویر کے نیچے بھی اپنا نام اور شہر یا گاؤں کا نام صاف صاف لکھیے۔ نام پتا جوابات کے پیچھے نہیں نیچے لکھیے۔ پتا لفافے پر بھی نہ لکھیے۔

۱۔ کس صحابی نے سب سے پہلے قرآن پاک کی کتابت شروع کی ؟

۲۔ پاکستان میں زمرّد کی کانیں کس صوبے اور کس ضلع میں ہیں ؟

۳۔ مختصر نویسی، یعنی شارٹ ہینڈ کے موجد کا نام بتائیے ؟

۴۔ کیا آپ پاکستان کے سب سے چھوٹے شہر کا نام بتا سکتے ہیں ؟

۵۔ روشنی کی رفتار کیا ہے ؟

۶۔ دنیا کے پہلے خلا باز شخص کا نام بتائیے۔

۷۔ آپ کے خیال میں اقوامِ متحدہ کا صدر دفتر کہاں ہے ؟

۸۔ پاکستان بننے کے بعد صوبۂ سندھ کے پہلے گورنر کا نام بتائیے ؟

۹۔ پاکستان کے کس کھلاڑی کی اعلا کارکردگی کے اعتراف میں کس ریلوے اسٹیشن کو اس کے نام موسوم کیا گیا ؟

۱۰۔ "کوہِ قاف" کس ملک میں ہے ؟

۱۱۔ دنیا میں سب سے زیادہ آنکھوں کے عطیات کس ملک میں دیے جاتے ہیں ؟

۱۲۔ فیض احمد فیض کے کلام کے کئی مجموعے ہیں، لیکن ایک کتاب ایسی بھی شائع ہوئی ہے جس میں ان کا تمام کلام جمع کر دیا گیا ہے۔ اس کا نام بتائیے ؟

کتنے کام کے ہیں یہ میٹر

جناب رشید الدین

ہم خلائی دور میں رہ رہے ہیں۔ چاند پر انسان کے پہنچنے سے پہلے کا دور ایٹمی دور اور اس سے پہلے کا زمانہ مشینی دور کہلاتا تھا۔ مشینوں اور آلات کی ایجاد و ترقی سے انسان آگے بڑھ رہا ہے اور آرام پا رہا ہے۔ ہماری آپ کی زندگی میں روزانہ بے شمار مشینیں اور آلات استعمال میں آتے ہیں۔ شاید ہی کوئی گھر ہو گا جس میں ریڈیو، استری، پنکھا، سلائی مشین، ٹوسٹر، ٹی وی، واشنگ مشین، ریفریجریٹر، گرائنڈر نہ ہوں۔ سب نہیں تو دو چار تو ضرور ہی ہوں گے۔ اسی طرح ہماری آپ کی زندگی میں میٹروں سے بھی ہمارا آئے دن کا تعلق رہتا ہے۔ گھر میں دو میٹر تو ضرور ہوتے ہیں۔ بجلی کا میٹر اور گیس کا

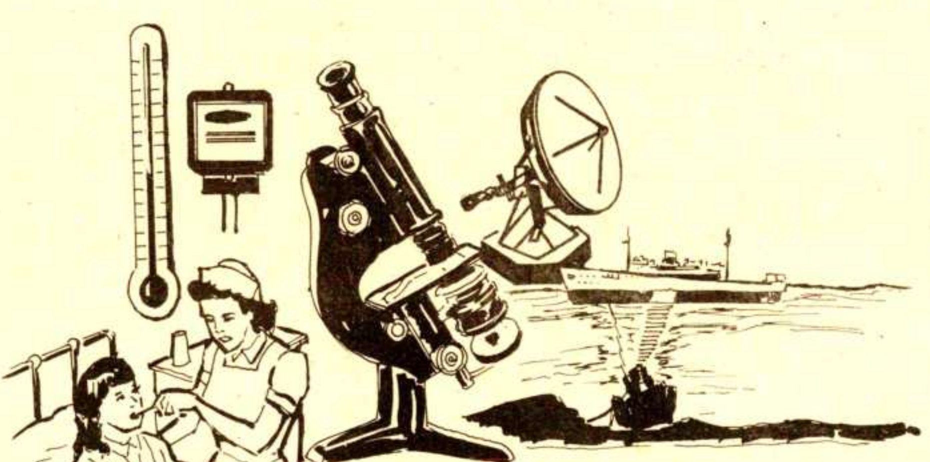

میٹر۔ اسی طرح موٹر سائکل، موٹر کار اور بسوں وغیرہ میں رفتار بتانے والا میٹر لگا ہوتا ہے۔ اکثر گھروں میں دن اور رات کا درجۂ حرارت بتانے والا آلہ اور کچھ نہ سہی آرائشی طور پر ہی لگا ہوتا ہے۔ جن گھروں میں بال بچّے ہوتے ہیں وہاں سمجھ دار ماں باپ بخار دیکھنے کا آلہ بھی ضرور رکھتے ہیں۔ گھر سے باہر نکلیے تو رکشا اور ٹیکسی کے میٹر سے واسطہ پڑتا ہے جو ہمارے ملک میں اپنی اصل رفتار سے بہت زیادہ تیز چلتے ہیں۔

ان کے علاوہ بھی بہت سے میٹر یا آلے ہیں جن سے مختلف چیزیں ناپی جا سکتی ہیں۔ مثلاً ڈاکٹروں کے پاس بلڈ پریشر ناپنے کا آلہ بھی ہوتا ہے۔ آپ کی دل چسپی اور معلومات کے لیے ایسے چند دوسرے میٹر یا آلوں کی تفصیل ہم نیچے دے رہے ہیں۔

۱۔ ایمے میٹر (AMMEMETER) یہ آلہ بجلی کی رو یا کرنٹ کو ایمپرز میں ناپنے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ یعنی اس سے بجلی کے رو کی طاقت ناپی جاتی ہے۔ اردو میں اس کو آمپیئر پیما کہتے ہیں۔

۲۔ بیرو میٹر (BAROMETER) : یہ ماحول یا ہوا کے دباؤ کو ناپنے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ محکمۂ موسمیات کے لیے اس آلے کی بڑی اہمیت ہے۔ اردو میں اس کو بار پیما کہا جاتا ہے۔

۳۔ کیلوری میٹر (CALORIMETER) : اس آلے کے ذریعہ سے انسانی جسم میں پیدا یا جذب ہونے والی حرارت کو ناپا جاتا ہے۔ اردو میں اس کو حرارہ پیما کہتے ہیں۔

۴۔ فیدومیٹر (FATHOMETER) : یہ آلہ سمندر کی گہرائی ناپنے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اردو میں اسے فیدم پیما یا عُمقِ آب پیما کہتے ہیں۔

۵۔ گیل وَینو میٹر (GALVANOMETER) : اردو میں یہ گلون پیما یا برقی رو پیما کہلاتا ہے۔ یہ آلہ ہلکی طاقت کی برقی رو کی پیمائش کرتا ہے۔

۶۔ ہائڈرو فون (HYDROPHONE) : یہ آلہ پانی کے نیچے کی آواز ناپنے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ بحریہ (بحری فوج) کے جہازوں میں اس کے ذریعہ سے پانی کی گہرائی میں چلنے والی آب دوزوں کے انجن کی آواز کا سراغ لگایا جاتا ہے۔ اردو میں یہ آبی فون کہلاتا ہے۔

۷۔ لیکٹومیٹر (LACTOMETER) : اسے اردو میں شیر پیما کہتے ہیں۔ اسے دودھ میں ڈالنے سے پتا چل جاتا ہے کہ دودھ میں پانی کی مقدار کتنی ہے، معمول کے مطابق یا اس سے زیادہ۔ دودھ بیچنے والے اس میٹر کو بُری نظروں سے دیکھتے ہیں۔

۸۔ مائیکروفون (MICROPHONE) : ایک عام آلہ جس کے ذریعے سے آواز کو بجلی کی طاقت سے بڑھا دیا جاتا ہے۔ اردو میں اسے عام طور پر اسی نام سے پکارا جاتا ہے۔ اسے مُکبّرِ الصوت اور بلند گو بھی کہہ سکتے ہیں۔

۹۔ مائیکروسکوپ (MICROSCOPE) : آپ اسے خورد بین کے نام سے خوب جانتے ہیں۔ طب اور سائنس کی دنیا میں اس کی بڑی اہمیت ہے۔ اس کے ذریعے سے چھوٹی چیزیں کئی گنی بڑی نظر آتی ہیں۔

۱۰۔ ریڈار (RADAR) : ایک جانا پہچانا آلہ ہے۔ اس سے نکلنے والی مائکروویوز یا خُرد موجیں فضا میں طیاروں کی آمد سے باخبر کر دیتی ہیں۔

۱۱۔ اسفیرومیٹر (SPHEROMETER) : اردو میں اسے کُرویت پیما کہہ سکتے ہیں۔ اس کے ذریعے سے سطح کے خم یا جھکاؤ کو ناپا جاتا ہے۔

۱۲۔ ٹیلے پرنٹر (TELEPRINTER) : دُور نویس یا تار برقی ٹائپ مشین، اب بہت عام ہو چکا ہے۔ اس کے ذریعے سے ٹیلے گرام کے تاروں کے ذریعے سے عبارت ایک جگہ سے دوسری جگہ ٹائپ کر کے بھیجی جاتی ہے۔ اخبارات اور بڑے تجارتی دفاتر میں اسے استعمال کیا جاتا ہے۔

۱۳۔ وِسکومیٹر (VISCOMETER) : اس آلے کے ذریعے سے کسی شے میں لعاب، کے پتلے یا گاڑھے ہونے کا اندازہ لگایا جاتا ہے۔ اردو میں اسے لزج پیما کہتے ہیں۔

۱۴۔ پیڈومیٹر (PEDOMETER) : یہ گھڑی کی طرح کا آلہ ہوتا ہے۔ اس کو عام طور پر ٹانگ سے باندھ دیا جاتا ہے۔ یہ میٹر چلنے پھرنے سے طے ہونے والا فاصلہ ناپتا ہے۔ اسے لگا کر چلنے سے آپ پتا چلا سکتے ہیں کہ آپ نے کتنے کیلو میٹر فاصلہ طے کیا ہے۔ اردو میں اسے قدم پیما یا قدم شمار بھی کہہ سکتے ہیں۔

مُسکراتے رہو

ایک خاتون نے بتایا کہ میرے شوہر کا سرخ بال پین ان کی قمیص کی جیب میں ٹوٹ گیا تھا اور بائیں جانب جیب پر ایک گول گہرا نشان بن گیا تھا۔ میں وہ قمیص لانڈری لے گئی تو اس نے اچھی طرح نشان کا معائنہ کیا اور پھر مسکراتے ہوئے بولا، "بیگم صاحبہ، آپ کا نشانہ بہت اچھا ہے۔"

ڈاکٹر نے اپنے مرحوم مریض کا بل اس کے وکیل کو پیش کیا اور پوچھا، "کیا اس کی تصدیق کرانی عدالت سے ضروری ہے؟" وکیل نے جواب دیا، "اس کی ضرورت نہیں، ان کی موت ہی اس بات کی تصدیق ہے کہ وہ آپ کے زیرِ علاج تھے۔"

ایک مریض نے ڈاکٹر سے شکایت کی کہ مجھے عجیب مرض لاحق ہو گیا ہے۔ جب میری بیوی بولتی ہے تو مجھے کچھ سنائی نہیں دیتا۔

ڈاکٹر نے کہا، "اسے بیماری مت کہو بلکہ نعمتِ خداوندی کہو۔"

● سلیم: اکرم، بتاؤ واسکٹ پہننے سے کیا فائدہ ہوتا ہے؟

اکرم: یہ فائدہ ہوتا ہے کہ اگر کوئی پیچھے سے پکڑے تو واسکٹ تیزی سے اُتارو اور خود بھاگ جاؤ۔

مرسلہ: مجیب ظفر انوار، کراچی

● پُل پر سے گزرنے والی گاڑیوں سے ٹول ٹیکس وصول کیا جا رہا تھا۔ ایک پُرانی سی موٹر جس کا انجر پنجر ڈھیلا ہو رہا تھا، پُل کے قریب رُکی تو چوکی دار نے ٹول ٹیکس کی شرح بتاتے ہوئے آواز لگائی "پانچ روپے"۔ موٹر کے ڈھانچے میں سے ڈرائیور نے باہر چھلانگ لگا دی اور چوکی دار سے بولا، "منظور ہے، نکالو پانچ روپے، وہ سامنے بس آ رہی ہے۔ میں اس میں سوار ہو جاؤں گا۔"

مرسلہ: محمد جاوید شیخ، دہلی کالونی

● سڑک پر ایک راہ گیر کیلے کھاتا جا رہا تھا اور چھلکے پھینکتا جا رہا تھا۔ یہ دیکھ کر دوسرے راہ گیر نے ٹوکا، "بھائی چھلکے مت پھینکو۔" جواب ملا، "تو

کیا تمھارا خیال ہے کہ میں کیلے پھینکوں گا؟"

ماں: باورچی خانے میں مت جانا، وہاں جن بھوت رہتے ہیں۔"

منّا: تو پھر پھل اور مٹھائیاں تو وہ کھا جاتے ہیں اور آپ خواہ مخواہ مجھ پر شک کرتی ہیں۔"

مرسلہ: شبانہ نگار، شمائلہ اقبال، کراچی

الیکشن کے زمانے میں ایک سیاست دان ہسپتال کے احاطے میں ٹہل رہا تھا کہ نرس نے آکر مبارک باد دی اور کہا، "آپ کے تین جڑواں بچے پیدا ہوئے ہیں۔" سیاست داں خیالات سے چونکا اور جلدی سے بولا، "یہ نہیں ہوسکتا، دوبارہ گنتی کراؤ۔"

مرسلہ: شبیر حسن رجب علی، نوابشاہ

ایک بادشاہ نے اپنے ایک درباری سے پوچھا، "میری ہتھیلیوں میں بال کیوں نہیں ہیں؟" درباری نے جواب دیا، "جہاں پناہ! آپ کی ہتھیلیوں کے بال خیرات کرتے کرتے اُڑ گئے۔"

بادشاہ نے سوال کیا، "میرے علاوہ دوسرے لوگوں کی ہتھیلیوں میں بال کیوں نہیں ہیں؟"

درباری نے جواب دیا، "جہاں پناہ! ان کی ہتھیلیوں کے بال خیرات لیتے لیتے اُڑ گئے۔"

بادشاہ نے مسکرا کر دریافت کیا، "اچھا تو جو لوگ نہ خیرات دیتے ہیں نہ لیتے ہیں، ان کی ہتھیلیوں پر بال کیوں نہیں ہوتے؟"

درباری نے عرض کیا، "ان کے بال افسوس سے ہاتھ ملتے ملتے اُڑ گئے ہیں کہ ہائے، ہم نے دنیا میں نہ کچھ دیا نہ کچھ لیا۔"

مرسلہ: محمد رضوان، محمد اسحٰق، پرانا سکھر

● ایک جاگیر دار کے بیٹے کو موٹر چلانے کا شوق ہوا۔ چلتے وقت اس نے باپ سے کہا، "دعا کیجیے کہ میں صحیح سلامت واپس آجاؤں۔"

باپ نے کہا، "یاد رکھنا، میری دعا صرف ۲۰ میل فی گھنٹہ کی رفتار کا ساتھ دے سکتی ہے، اس سے زیادہ کا نہیں۔"

مرسلہ: محمد سلیم بھٹی، سکھر

● استاد: (شاگرد سے) چیئرمین کسے کہتے ہیں؟

شاگرد: جناب، کرسیاں بنانے والے کو۔

مرسلہ: ظہیر خان نانمڑ، لطیف آباد

● "کیا تم موت کے بعد زندگی پر یقین رکھتے ہو؟" مالک نے آفس بوائے سے سوال کیا۔

"ہاں جناب، بالکل۔"

"آہ! کل جب تم اپنے دادا کے جنازے میں شرکت کے لیے گئے ہوئے تھے تو وہ تمھاری تلاش میں یہاں آئے تھے۔"

● انسپکٹر: (سپاہی سے) تم نے چور کو گرفتار کیا؟

سپاہی: چور گرفتار نہیں ہوسکا۔ اُس کی انگلیوں کے نشان مل گئے ہیں۔

"انسپکٹر: کہاں ہیں وہ؟

سپاہی: جی، میرے گال پر۔

مرسلہ: محمد احسان، کراچی

صحت مند نونہال

دس سال سے کم عمر صحت مند نونہالوں کی تصویریں

احتشام الدین آفریدی، کراچی

یاسمین اقبال، کراچی

صولت فرحین، حیدر آباد

جبار حسین، کراچی

فرخندہ، حیدر آباد

محمد علی شیخ، لاڑکانہ

مکیش کمار، گھوٹکی

شاہد رحمان صدیقی، کراچی

خالد عزیز ظفر، میانوالی

نوید گھمن، کراچی

سید عمران حسین، کراچی

سید عمیر حسین، کراچی

علی اکبر، کراچی

سلیم راجا، قاضی احمد

نونہال مصوّر

انعام اللہ المحمود، اسلام آباد

محمد مشتاق احمد، علووالی

صدف سراج، حیدرآباد

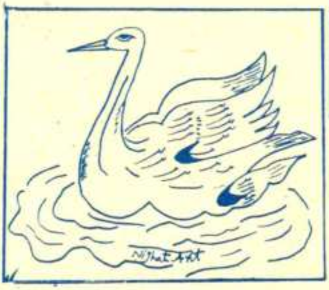

نگہت ذاکر، کراچی

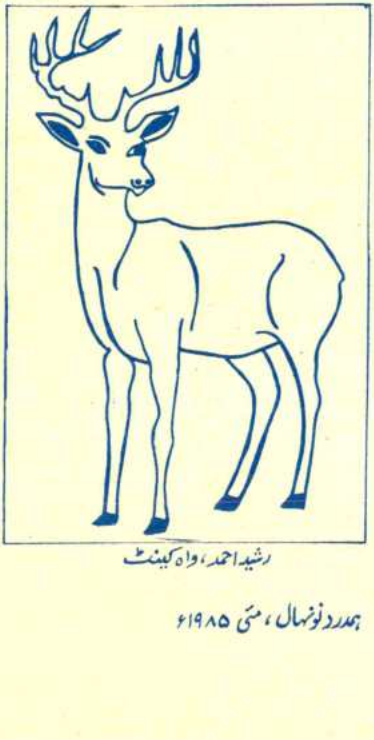

رشید احمد، واہ کینٹ

نذیر احمد ساحر، تربت

اس شمارے کے مشکل الفاظ

نونہالوں کی خواہش پر ہر لفظ کے سامنے اُس زبان کا اشارہ بھی لکھا جا رہا ہے جس سے وہ لفظ اُردو میں آیا ہے۔ یہ اشارے اس طرح لکھے ہوں گے:

ع = عربی، ف = فارسی، ہ = ہندی، س = سنسکرت، ت = ترکی، انگ = انگریزی، ا = اردو

حجرہ : (ع) حُج رَ ہْ : کوٹھری، وہ کمرا جس میں تنہا بیٹھ کر عبادت کی جاتی ہے۔

نوا : (ف) نَ وَ ا : آواز، نغمہ، سُر، آواز، توشہ، سامان۔

دل برداشتہ : (ف) دِلْ بَرْدَاشْتَہ : بد دل ہونا۔

عرفان : (ع) عِرْ فا نْ : پہچان، آگہی، خدا شناسی۔

جسیم : (ع) جَ سِیم : موٹا، فربہ۔

دل خراش : (ف) دِلْ خَرَاشْ : دِل شکن، دل چھیلنے والا۔

منجمد : (ع) مُن جَ مِد : سردی سے جما ہوا، بستہ ٹھوس۔

شیدا : (ف) شَے دَا : دیوانہ، عاشق، مدہوش، عشق میں ڈوبا ہوا۔

بام : (ف) بَا مْ : چھت، بالاخانہ، ایک قسم کی مچھلی۔

لبادہ : (ف) لَ بَا دَ ہْ : روئی دار چغہ، برساتی کپڑا۔

تعلّم : (ع) تَعَلْ لُمْ : علم حاصل کرنا یا سیکھنا

متجسّس : (ع) مُ تَ جَس سِسْ : تلاش کرنے والا، جستجو کرنے والا۔

فقدان : (ع) فُقْ دَ انْ : گم کرنا، گم ہونا، نہ ہونا۔

عدو : (ع) عَدُ وْ : دشمن، مخالف، رقیب،

آشکار : (ف) آشْ کَا رْ : صورت، ظاہر، فاش

جبروت : (ع) جَبْ رُوْ تْ : بزرگی، عظمت، تکبّر، عالم، اللہ کی صفت۔

گدا : (ف) گَ دَا : فقیر، بھکاری (گداگر غلط ہے)

مژدہ : (ف) مُژْ دَ ہْ : خوش خبری، بشارت۔

محظوظ : (ع) مَحْ ظُو ظْ : خوش ہونا، مسرور ہونا۔

تسخیر : (ع) تَسْ خِی رْ : تابع کرنا، فرماں بردار بنانا، محاصرہ کرنا، گھیرنا، قابو میں لانا، کسی کا دل اپنی طرف مائل کرنا۔

متغیّر : (ع) مُ تَ غَی یَرْ : بدلنے والا، بے ثبات، غیر مستقل۔

استغنا : (ع) اِسْ تِغْ نَا : بے پروائی، بے نیازی۔

سرشار : (ف) سَرْ شَا رْ : لبالب، مست، بھرا ہوا۔

قدوس : (ع) قُدْ دُوْ سْ : تمام عیبوں سے پاک، اللہ تعالیٰ کا نام، پاک مبارک۔

عناصر : (ع) عَنَا صِرْ : عُنْصُر کی جمع، اصل، بنیاد، جزو، مفرد چیز۔

نونہال ادیب

بعض نونہال دوسرے شاعروں کی نظم نقل کرکے بھیج دیتے ہیں۔ یہ بات اچھی نہیں ہے۔ ہم ایک ترکیب بتاتے ہیں۔ جو نظم آپ کو پسند آئے، اس کو نقل کرکے ہمیں بھیج دیجیے، لیکن جس شاعر کی نظم ہے اس کا نام اور جس رسالے یا کتاب سے نقل کی ہے اس کا نام بھی لکھ دیجیے۔ ہم آپ کا نام بھی لفظ مرسلہ کے ساتھ شائع کر دیں گے۔ اس طرح آپ کی بدنامی بھی نہیں ہوگی، لیکن زیادہ اچھی بات یہ ہے کہ آپ خود لکھنے کی کوشش کریں۔

حمد

مرسلہ: عائشہ آفتاب، کراچی

وہ میرا خدا
وہ سب کا خدا
وہ پالنے والا دنیا کا
شان اس کی نرالی
سب کی دیکھی بھالی
جو ہم سب کا ہے داتا
پودے پھول اُگانے والا
سب دنیا پر چھانے والا
میرا تیرا سب کا خدا

نعت

مرسلہ: آفتاب یاسر، بہاولپور

اگر پوچھو تو یہ ہے ماحصل میری دعاؤں کا
کہ سایہ کر دو میرے سر پہ رحمت کی گھٹاؤں کا
ہوئی ہے ختم ساری تیرگی دل کے اندھیرے کی
چلایا سلسلہ تم نے میری اگلی ضیاؤں کا
تصوّر میں تمھارے یوں گزاروں زندگی ساری
یقیناً تم کو آجائے یقین میری وفاؤں کا
مرے آقا، نگاہِ لطف کی مجھ کو ضرورت ہے
کہ طالب ہوں ہمیشہ آپ کی رحمت کی چھاؤں کا
مجھے در پر بُلا بھیجو تو واپس پھر نہ آؤں گا
میں یاسر اس قدر خوگر ہوں مکّے کی فضاؤں کا

نوجوانوں کا عالمی سال

سید شہزاد عالم، کراچی

اقوامِ متحدہ نے ۱۹۸۵ء کو نوجوانوں کا عالمی سال قرار دیا ہے جس کا مقصد دنیا بھر میں نوجوانوں کے مسائل پر خصوصی توجہ اور ان کے حل کے لیے عالمی سطح پر کوششیں کرنا ہے۔ اس بات سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ کسی ملک کی حقیقی قوت اس کی نوجوان نسل ہی ہوتی ہے جس کے ہاتھوں میں ملک کی باگ ڈور ہوتی ہے۔ جس کی تربیت میں ملک کی ترقی کا راز مضمر ہے۔ گویا نوجوانوں کے مسائل کو نظر انداز کرنا ملکی ترقی سے چشم پوشی کے مترادف ہے، لہٰذا یہ بہت ضروری ہے کہ آج کی نئی نسل کو درپیش مسائل کے حل کے لیے ایک ٹھوس لائحہ عمل تیار کیا جائے اور اس پر پوری طرح عمل کیا جائے۔ نوجوانوں کو آج موثر رہنمائی کی ضرورت ہے تاکہ کل وہ نئے اور روشن مستقبل کا تارا بن کے چمکیں۔ نوجوانوں کے مسائل میں ان کے تعلیمی، سماجی اور معاشی مسائل کو اوّلیت دی جائے۔

تعلیمی اداروں کو صرف تعلیم پر ہی نہیں بلکہ کردار سازی پر بھی خصوصی توجہ دینی چاہیے۔ تعلیم کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ یہ انسان کی سوچوں اور امنگوں کو صحیح راستہ دکھاتی ہے جس پر چل کر وہ اپنے کردار کو پستی سے بلندی پر پہنچاتا ہے۔ چناں چہ نوجوانوں کے کردار کو بلند کرنے کے لیے ضروری ہے کہ انھیں تعلیم کے مواقع حاصل ہوں۔ تعلیم یافتہ نوجوان ہی اپنے ملک کی ترقی کو معراج پر پہنچا سکتے ہیں، کیوں کہ علم ترقی کا زینہ ہے۔

ہم اپنے موجودہ معاشرے کو زوال پذیر معاشرہ کہہ سکتے ہیں، کیوں کہ ہماری اخلاقی اقدار ایک ایک کر کے دم توڑتی جا رہی ہیں۔ ذہنی دیوالیہ پن بڑھتا جا رہا ہے۔ سماجی مسائل میں روز بہ روز اضافہ ہوتا جا رہا ہے جس کا نوجوانوں پر گہرا اثر ہوتا ہے۔ اب وقت آ گیا ہے کہ پچھلی کوتاہیوں سے سبق لیتے ہوئے آیندہ کے لیے ایسے اقدامات کیے جائیں جن سے صحت مند معاشرے کی تشکیل میں مدد مل سکے۔ اس سلسلے میں نوجوان بہت اہم کردار ادا کر سکتے ہیں۔ نوجوانوں کو مثبت سرگرمیوں میں حصّہ لینا چاہیے، تاکہ ان کی ذہنی فکر کو جِلا ملے، جو صاف ستھرے معاشرے کی تشکیل میں ان کی مددگار ہو۔ وہ معاشرے کے مقرر کردہ اصولوں کو اپناتے ہوئے اپنے آپ کو ایسے سانچے میں ڈھالیں جو انھیں سچّا انسان اور محبِ وطن پاکستانی بنا سکے۔

معاشرے میں پیدا شدہ بحران کا اہم سبب معاشی مسائل بھی ہیں۔ سب کو روزگار کے یکسر

مواقع حاصل نہیں ہیں۔ ہر آدمی دوسرے آدمی سے آگے نکلنے کی کوشش میں لگا ہوا ہے۔ اس کشمکش میں غلط قدم اٹھانے سے دوسرے فریق میں انتقامی جذبہ پیدا ہوتا ہے اور اس سے کوئی جرم سرزد ہوجاتا ہے۔ اس طرح معاشرے میں ایک بُرے آدمی کا اضافہ ہوتا ہے۔ نوجوانوں کا عالمی سال مناتے ہوئے یہ بات بھی زیرِ غور رکھنی چاہیے کہ مسائل کی جڑ کیا ہے اور یہ کن حالات میں پروان چڑھتے ہیں۔

اقوامِ متحدہ نے ۱۹۸۵ء کو نوجوانوں کا عالمی سال قرار دے کر ہمارے لیے ایک لمحۂ فکریہ فراہم کیا ہے کہ ہم اسے سال سمجھ کر نہ گزاریں بلکہ نوجوانوں کے مسائل کو حل کرنے کے لیے سنجیدگی سے جدوجہد کریں تاکہ آنے والا دور ہم سب کے لیے ایک شان دار مستقبل کی نوید سنا سکے۔

مولانا اسماعیل میرٹھی

عمر دراز خان خٹک، ٹنڈو محمد خان

اردو کے معروف ادیب مولانا محمد اسماعیل میرٹھی ۱۸۴۴ء میں پیدا ہوئے۔ آپ پیشے کے اعتبار سے معلّم تھے۔ بہت عرصے تک آگرے کے ایک اسکول میں صدر مُدرّس رہے۔ ملازمت سے سبکدوش ہونے کے بعد علمی اور ادبی کاموں میں معروف رہے۔ مولانا اسماعیل میرٹھی کو عام طور سے بچّوں کا شاعر سمجھا جاتا ہے، لیکن انھوں نے اردو اور فارسی میں بے شمار غزلیں اور نظمیں بھی لکھی ہیں جو بہت پسند کی جاتی ہیں۔ اسماعیل میرٹھی کی بچّوں کی نظمیں اردو شاعری میں بڑی مقبول ہیں اور بہت پسند کی جاتی ہیں۔ انھوں نے بچّہ بن کر بچّوں سے انھی کی زبان میں باتیں کی ہیں۔ اچھی باتوں کی تلقین کی ہے اور غلط باتوں سے روکا ہے، لیکن ایسے نرم اور دل نشین پیرائے میں کہ نصیحت، نصیحت معلوم نہیں ہوتی۔ ان کا لہجہ بڑا نرم، بیان بڑا واضح، زبان بہت سلیس اور انداز دل موہ لینے والا ہے۔ انھوں نے نظموں میں کہیں مکالموں سے کام لیا ہے، کہیں کہانی سنائی ہے، کہیں قصّہ بیان کیا ہے۔ چھوٹی چھوٹی کہانیوں، واقعات اور مثالوں سے بات سمجھانا اُن کا فن ہے۔

مولانا اسماعیل میرٹھی نے بچّوں کے لیے درسی کتابوں کا ایک سلسلہ مرتب کیا تھا، جو آج بھی بڑی شہرت رکھتا ہے۔ ہماری درسی کتابوں میں اسے مثالی حیثیت حاصل ہے۔ اسماعیل میرٹھی نے انگریزی نظموں کے ترجمے بھی کیے تھے۔

محمد اسماعیل میرٹھی نے ۱۹۱۷ء میں وفات پائی۔ مولانا اسماعیل میرٹھی کا نام اردو کی تاریخ میں کبھی بھلایا نہ جائے گا۔ ان کی لکھی ہوئی درسی کتابیں کئی نسلوں نے پڑھی ہیں۔

ہمدرد نونہال

مرسلہ: ایم شفاء الحق حق، راول پنڈی

ان کی املا تحریریں ہیں
پیاری دل کش تصویریں ہیں

جب سے اس کے بنے ہیں قاری
نکھر گئی ہے سوچ ہماری

سیدھی راہ دکھائی اس نے
اچھی بات سجھائی اس نے

سب کو علم سکھایا اس نے
بدصحبت سے بچایا اس نے

سوغاتیں بھی ہوتی ہیں
طبّی باتیں بھی ہوتی ہیں

کتنا اچھا ہے یہ رسالہ
علم کا سورج نور کا ہالہ

جب ہم نے روٹی پکائی

مرسلہ: فوزیہ تبسم اعوان، بہاول پور

یہ اُن دنوں کا واقعہ ہے جب ہماری امّی اور باجی کسی شادی میں مدعو تھیں اور ہمیں حکم دیا گیا تھا کہ ہم رات کا کھانا خود پکائیں۔ پہلے پہل تو ہمیں بڑا غصّہ آیا مگر جو مصیبت آن پڑی تھی اس سے بھلا کیسے چھٹکارا حاصل ہو سکتا تھا۔ خیر ہم نے دل ہی دل میں روٹیاں پکانے کی ترکیب دہرائی اور تصور میں کئی روٹیاں پکا ڈالیں۔ امی اور باجی کے جانے کے بعد ہم گھر میں چار افراد تھے، یعنی ابّو اور ہم تین بہن بھائی۔ سو ہم نے روٹیاں گنیں۔ ایک، دو، تین اور یہ چار اور چار دونی آٹھ۔ ہم نے سوچا بھلا چار روٹیاں پکانا بھی کوئی مشکل کام ہے۔ ایک منٹ میں پک جائیں گی اور ایسی عمدہ پکیں گی کہ ابّو ہمیں ضرور انعام دیں گے۔ ابھی ہم انھی خیالوں میں گم تھے کہ ابّو کے کچھ دوست آ گئے، لٰہذا ابّو کا حکم ملا کہ چائے بناؤ۔ چائے بنانے میں ہم ماہر تو تھے ہی مگر چولھا بہت بدتمیز تھا۔ آخر بُرادے والا چولھا جو ہوا۔ ہم سے کیسے جلتا۔ چھوٹی بہن کو کاغذ لانے کا حکم دیا۔ اس نے ڈھیروں کاغذ اکھٹے کر دیے۔ ہم نے پھونک پھونک کر چولھا جلایا۔ خدا خدا کر کے چولھا جلا۔ پھر ہم نے جھٹ پانی رکھا، پٹ چائے بنائی اور ابو کے آگے پیش کر دی۔ ہمارے چائے بناتے بناتے چوں کہ مغرب کی اذان ہو چکی تھی اس لیے فٹافٹ نماز پڑھی اور پھر ہمیں اپنا فرض یاد آیا، یعنی روٹیاں پکانا اور ہم آٹھ روٹیوں کا آٹا گوندھنے بیٹھ گئے۔

جب ہم آٹا گوندھ چکے تو معلوم ہوا کہ یہ تو آٹھ روٹیوں سے کہیں بڑھ گیا ہے۔ ایسا لگتا تھا جیسے چار وقت کا آٹا گوندھ ڈالا ہو۔ امی کی ڈانٹ سے بہت ڈرے مگر یہ سوچ کر دل کو تسلّی دے ڈالی کہ سردیاں ہیں خراب تو ہوگا نہیں اگلے وقت کام

آجائے گا۔ اب پھر چولھا جلانا تھا۔ جی ہاں، وہی بُرادے والا چولھا، جو ہم نے کچھ دیر پہلے چائے بنانے کے لیے بڑی تگ و دو کے بعد جلایا تھا۔ اب چھوٹی بہن کی شامت آئی۔ ہم نے اس پر خوب رعب جھاڑا کہ سارا کام ہمارے ذمے نہیں۔ اب چولھا تم جلاؤ۔ جب تک چولھا نہیں جلاؤ گی کھانا نہیں ملے گا۔ چھوٹی بہن کو مجبوراً حکم کی تعمیل کرنا پڑی، چناں چہ چولھا جلا، ہم نے توا رکھا، مگر یہ کیا۔ چولھا بجھ گیا۔ پھر توا اُتارا اور خود ہی پھونکنا شروع کر دیا۔ کوئی آدھے گھنٹے بعد اللہ کو ہماری دھوئیں سے لال بھبھوکا آنکھوں اور ہماری بے بسی پر ترس آیا اور چولھا جل گیا اور ہم نے خدا خدا کر کے چولھے پر توا رکھا۔ اب ہم نے پیڑا بنانا شروع کیا۔ پیڑا ایسا تھا کہ گول بننے میں نہیں آتا تھا، خیر تھوڑا سا ٹیڑھا رہ گیا۔ ہم نے اسے غنیمت جانا پھر روٹی پکانا شروع کی۔ مگر یہ کیا، اگر کناروں سے روٹی پتلی کرنے کی کوشش کرتے تو درمیان سے موٹی ہو جاتی اور اگر درمیان سے پتلی کرتے تو پھٹ جانے کا خطرہ۔ چارو ناچار ایک مستطیل شکل کی روٹی توے پر ڈالی۔ توے پر پڑتے ہی روٹی نے ایک اور روپ دھارا اور چوکور بن گئی اور توے سے اس طرح چپک گئی جیسے میجک اسٹون سے کوئی ٹوٹی ہوئی چیز جُڑ جاتی ہے۔ چھوٹے بہن بھائی نے بہت مذاق اُڑایا۔ ہم نے انھیں یہ کہہ کر چُپ کرایا کہ پہلی روٹی تھی اس لیے خراب ہو گئی ہے، جیسے تیسے کر کے روٹی پک گئی، مگر کناروں سے کچی رہ گئی۔ ہم نے دوسری روٹی بنائی۔ یہ روٹی پہلی سے بھی بدتر تھی۔ توے پر اسٹائل سے ڈالنے کی کوشش کی، مگر شومیِ قسمت کہ ہمارا ہاتھ جل گیا۔ غصّہ تو پہلے ہی آ رہا تھا زور سے چولھے کو پاؤں مارا جس سے بُرادے نے تیزی سے جلنا شروع کر دیا اور ہماری روٹی جل گئی۔ ہم نے روٹی کو اُتار کر رومال میں لپیٹ دیا۔ اتنے میں چھوٹے بھائی نے بھوک بھوک کا شور مچانا شروع کر دیا۔ ہم نے کباب گرم کرنے شروع کیے، مگر چولھا پھر دھیمے دھیمے جلنے لگا۔ چھوٹے بھائی نے بھی چولھے کو پاؤں مارا، چولھا بھڑک اٹھا۔ ہم نے کہا کباب جل جائیں گے۔ ہم اسے پیٹنے کے لیے اُٹھے ہی تھے کہ وہ بھاگ کر باتھ روم میں گھس گیا۔ اِدھر ابّو بھی آ گئے کہنے لگے، "کھانا تیار ہے تو لاؤ کھانا کھا کر عشاء کی نماز پڑھیں گے"۔ چناں چہ ابو نے دسترخوان کھولا۔ رومال میں جلی ہوئی اور چوکور روٹیاں تھیں۔ اس سے پہلے کہ ابّو کچھ کہتے ہم نے بھائی پر سارا الزام تھوپ دیا۔ کہ اس نے چولھے پر زور سے پاؤں مارا تھا اس لیے برادہ گر گیا۔ دیکھیں ہمارا ہاتھ بھی جل گیا ہے۔ اور روٹی بھی جل گئی ہے۔ اتنے میں ہمیں کسی چیز کے جلنے کی بُو آئی۔ ہائیں یہ کیا، کباب جو ہم نے توے پر گرم کرنے کے لیے رکھے تھے، جل کر کوئلا

ہو چکے تھے۔ ابّو تو اٹھ کر نماز پڑھنے چلے گئے مگر امی عین اسی وقت آگئیں۔ انھوں نے جب یہ صورتحال دیکھی تو غصے سے بپھر گئیں اور ہمیں کھری کھری سنائیں۔ ہم بھلا کہاں چپ رہنے والے تھے۔ ہم نے بھی چیخنا شروع کر دیا کہ ایک تو کام کریں اور دوسرے ڈانٹ بھی سنیں۔ میں اتنی اچھی روٹیاں پکا رہی تھی کہ آپ کے لاڈلے نے چولھا گرا کر سارا کام خراب کر دیا۔ خیر امی نے خود آکر کھانا تیار کیا اور ہم سب کو دیا اور خود بھی کھانے لگیں۔ ہم نے کہا، "یہ کیا؟ آپ تو شادی پر گئی تھیں؟" امی نے بتایا، "شادی والے گھر میں کھانا کم بنا تھا۔ بہت سے لوگ بغیر کھائے جا رہے تھے اس لیے ہم بھی آگئے۔" چوں کہ باجی کی سہیلی کی شادی تھی اس لیے ہم نے باجی کو خوب مذاق کا نشانہ بنایا اور اپنے سب کیے دھرے پر پردہ ڈال دیا۔

وصیت نامہ

محمد راشد انصاری، حیدر آباد

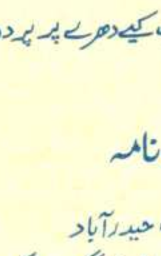

نام تو اُن کا پتا نہیں کیا تھا، مگر سب لوگ انھیں چاچا گول گپّے کے نام سے جانتے تھے لطیف آباد کی جانی پہچانی شخصیت، انتہائی کنجوس۔ اگر آٹھ آنے دے کر چار آنے کی چیز لیں ہمیشہ واپس چار آنے دو دو آنے کر کے دیتے تھے کہ اس طرح ایک پیسہ بچ جاتا ہے، کیوں کہ چونّی پچیس پیسے کی ہوتی ہے۔ روزانہ صبح سویرے اپنا ٹھیلہ لے کر نکلتے اور سارے لطیف آباد کا راؤنڈ لگا کر شام کو واپس آتے تھے۔ لوگوں کی نظریں اور ان کے دور کے بھتیجے انور کی نظر میں ان کے پاس کافی دولت تھی، جو انھوں نے کہیں چھپا رکھی تھی اور یہ حقیقت بھی تھی۔ انور ایک آوارہ جوئے سگرٹ کا عادی لڑکا تھا اور چاچا کے پاس رہتا تھا۔ چاچا سے تو اسے خدا واسطے کا بیر تھا۔ انھیں ہمیشہ ستایا کرتا تھا۔ اسے اندیشہ تھا کہ چاچا مرنے کے بعد اپنی تمام دولت کسی یتیم خانے کے نام کر جائیں گے، اس لیے وہ سوچا کرتا تھا کہ چاچا اپنی وصیت لکھنے سے پہلے ہی کسی رات کو ایسے سوئیں کہ پھر اُٹھ نہ سکیں۔ یہ اُن دنوں کی بات ہے جب چاچا کی طبیعت بے حد خراب رہتی تھی۔ ایسا لگتا تھا کہ شاید چاچا اب صرف چند دنوں کے مہمان ہیں۔ اسی لیے وہ اکثر وصیت کے متعلق کہتے رہتے تھے۔ ادھر انور اپنا ایک ناپاک منصوبہ بنا رہا تھا۔ چاچا کو ختم کرنے کا منصوبہ، کیوں کہ اس طرح ان کی تمام دولت اس کے قبضے میں آسکتی تھی۔ آخر ایک رات اس نے دودھ کے گلاس میں کافی مقدار میں خواب آور گولیاں ملائیں اور چاچا کے کمرے کی طرف چل دیا۔ کمرے میں جاکر اس نے لرزتے ہوئے

ہاتھوں سے گلاس چاچا کی طرف بڑھایا اور اس سے دودھ پینے کے لیے کہا، مگر چاچا نے کوئی حرکت نہ کی۔ انور کو کچھ شبہ سا ہوا۔ اس نے چاچا کو جھنجھوڑا، مگر چاچا اس دنیائے فانی سے کوچ کر چکے تھے۔ ان کے سرہانے ایک پرچا رکھا ہوا تھا، جس پر واضح الفاظ میں "وصیت نامہ" لکھا ہوا تھا۔ یہ دیکھ کر انور کو اپنے ہاتھوں سے چاچا کی تمام دولت نکلتی ہوئی محسوس ہوئی۔ اس نے پرچے کو فوراً پھاڑنے کے لیے اُٹھایا، مگر پھاڑنے سے پہلے اس نے وصیت نامے پر ایک نظر ڈالی اور اسے پڑھا تو اس کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو رواں ہو گئے اور وہ بے ہوش ہو گیا۔ ہوش میں آنے کے بعد بھی وہ کئی دن تک چاچا کہہ کر چلاتا رہا۔

آج انور ایک شریف لڑکا ہے۔ انتہائی شریف۔ ہر کسی سے محبت کرنے والا انور۔ میرا بہت گہرا دوست ہے۔ واضح ہو کہ اس وصیت نامہ کی رو سے انور چاچا کی تمام دولت کا تنہا حق دار تھا۔

میں کیا بنوں؟

راحت داؤد پوتہ، کراچی

یہ ایک بڑا ٹیڑھا مسئلہ ہے۔ جب سے ہم نے اس مسئلے پر غور کرنے کی عقل پائی تب ہی سے والدین نے ڈاکٹر بننے پر زور ڈالا۔ شروع شروع میں تو ہم بھی بہک گئے اور سوچنے لگے کہ ابھی سے مشق شروع کر دی جائے تو جناب ہمارے بھائی صاحب چند چوزے خرید لائے تھے۔ اُن میں سے ہمیں ایک کی طبیعت کچھ ناساز معلوم ہوتی تھی، کیوں کہ جناب سارے چوزے تو بڑے جوش و خروش سے دادی کو ستانے میں مشغول تھے۔ دادی جو کہ ان کی رکھوالی کرتی ہیں اُن سے چوزے آنکھ بچا کر چھجے پر کود جاتے اور ٹانگ تڑوا کر بیٹھ جاتے یا پھر کبھی جمپ اس قدر ہائی ہو جاتا کہ سیدھے پڑوس والے گھر کے لان میں نظر آتے، لیکن وہ موصوف کچھ ناساز نظر آتے تھے۔ ہم نے ان کا چیک اپ کیا تو معلوم ہوا کہ بخار ہے ساتھ کھانسی بھی ہے کیوں کہ بقیہ چوزے تو خوب جی بھر کر شور مچا رہے تھے، مگر یہ موصوف گلا خراب ہونے کی وجہ سے بستر علالت پر آرام فرما رہے تھے۔ ہم نے اُن کے لیے دوا تشخیص کی اور فرج میں چھان مارا کہ شاید وہ رکھی ہو اور ایسا ہی ہوا ہم نے جھٹ بخار کا شربت اور کھانسی کا شربت نکالا اور چوزے کو پکڑ کر اس کی چونچ زبردستی کھول کر دوائی پلانے کی ناکام کوشش کی، مگر وہ تو غرارے کرنے لگے۔ آخر زبردستی کی لپاڈکی میں چند قطرے خود بہ خود اُن کے نازک اندام گلے سے اُتر ہی گئے۔ اس طرح انھوں نے وہ دوا پی۔ تقریباً آدھے گھنٹے بعد ہم نے ان کی کم زوری کو مدِ نظر رکھتے ہوئے گلوکوز ملا پانی ترکیبِ بالا کے تحت پلایا اب ہمیں تسلی تھی کہ ہم انسانوں کے

نہ سہی کم از کم جانوروں کے ڈاکٹر تو بن ہی جائیں گے۔ پھر ہم بڑے سکون کی نیند سو گئے۔ ہم سمجھے کہ شاید ہمارا مسئلہ حل ہو گیا ہے مگر جب صبح کو آنکھ کھلی تو اُٹھتے ہی یہ روح فرسا خبر سننے کو ملی کہ مرزا چوزے صاحب اس دارِ فانی سے کوچ کر گئے ہیں وہ ہماری لاج نہ رکھ سکے اور چل بسے۔ یہ خبر ہمارے لیے باعثِ شرمندگی بھی تھی لیکن ہم نے پھر بھی اِن للّٰہ پڑھی اور دل کو تسلّی دے ڈالی کہ ہم نے اُسے دنیا کی ٹھوکروں سے اُٹھا کر عرشِ معلیٰ میں جنّت کا حق دار بنا دیا:

آدمی بُلبلہ ہے پانی کا
کیا بھروسا ہے زندگانی کا

ہم یہ شعر گنگناتے ہوئے اس کی لاش ہتھیلی پر دھرے دفنانے کے لیے لے جا رہے تھے کہ سامنے سے بھائی صاحب آتے دکھائی دیے۔ ٹھٹھک کر انھیں دیکھا انھوں نے شعلے برساتی نظر ہم پر ڈالی اور جیسے ہمارا دھیان اس پر سے ہٹا تو چیل اُس بد نصیب کو لے اُڑی۔ چلو جناب چھٹّی ہوئی۔ بھائی کی نگاہ چیل پر اور ہم پھرتی سے کمرے میں۔ ویسے بھائی صاحب نے ہمیں کچھ نہیں کہا۔ فقط نظرِ آتش ہی ہم پر ڈالی اور چلے گئے۔ اُن کی خوش اخلاقی کو دیکھ کر ہم بڑے متاثر ہوئے اور خوشی بھی ہوئی، لیکن اب ڈاکٹر بننے کا خیال ذہن سے اُکھڑ گیا۔

ہماری بڑی بہن کچھ عرصے پہلے ہمیں پڑھایا کرتی تھیں اور جب وہ ہمیں پڑھاتیں تو ہمیں ڈانتیں بھی تھیں اور کبھی کبھار دو چار گرم گرم ہاتھ بھی پڑ جاتے تھے۔ ہمارے دل میں انتقاماً ٹیچر بننے کی خواہش بہت تیزی سے پروان چڑھنے لگی اور جب چھٹیوں میں ہمارے ماموں زاد بھائی بہن آئے تو ہم نے ان کو مکمل طور پر پڑھانا شروع کر دیا اور دیوار کو بورڈ بنا لیا۔ کرسیاں لگا کر باقاعدہ کلاس روم بھی بنا ڈالا، لیکن ہم نے اپنے طالبِ علموں کو سزائیں بہت دیں جس کی بنا پر وہ ہمارے خلاف ہڑتال کرنے لگے اور انھوں نے اپنی نالائقی کا روشن ثبوت ہمارے سامنے یوں پیش کیا کہ انھوں نے ہمیں سرے سے استاد ماننے سے انکار کر دیا اور یہی نہیں بلکہ وہ ایک ہفتہ ہی میں ہمیں تن تنہا چھوڑ کر رفوچکّر ہو گئے۔ ہمارے گھر والے ہمارے بڑے شکر گزار ہوئے۔ ہمیں اس دوسرے حادثے نے بڑا دکھ پہنچایا۔

یوں ہمارا مسئلہ دوبارہ ہمارے سامنے ہاتھ باندھے مسکرا رہا تھا، قہقہہ لگا لگا کر ہمیں چڑا رہا تھا۔ اب ہم کسی سے مشورہ کرنے کا سوچ ہی رہے تھے کہ ہمارے قریبی رشتے دار جو کہ ڈاکٹر ہیں ہم نے اپنا مسئلہ ان کے سامنے رکھا تو کہنے لگے کہ میں بتاؤں تم ڈاکٹر بن جاؤ۔ تم اس فیلڈ میں فٹ رہو گی۔ میں بتاؤں کہ ڈاکٹر بننا اتنا مشکل نہیں ہے جتنا

لوگ سمجھتے ہیں۔ میں بتاؤں کہ لیڈی ڈاکٹر کی بڑی اہمیت ہے۔

جواباً ہم نے عرض کی قبلہ آپ بتاتے رہیے ہمیں اس تجربے کے سنگین نتائج اب تک یاد ہیں، مگر جناب، ہم تو ان سے اپنے مسئلے کے بارے میں گفت گو کر کے پچھتائے، کیوں کہ انھوں نے ہماری امی حضور کو ورغلا دیا کہ اسے بس ڈاکٹر ہی بنانا ہے۔ ہم نے امی کو صاف صاف بتا دیا کہ ہم نے ڈاکٹر ہرگز نہیں بننا ہے کیوں کہ آج کل کے ڈاکٹروں کو دیکھ کر یہ اندازہ ہوتا ہے کہ مستقبل میں ڈسکو کلینک ہوگی، ڈسکو ڈاکٹر ہوں گے، ڈسکو نرسز ہوں گی اور پھر یہ لوگ مریضوں کو بھی اپنے رنگ میں رنگ لیں گے۔ یہ کہنا تھا کہ امی حضور نے بڑی زبردست قسم کی جھاڑ پلائی۔ مرتا کیا نہ کرتا۔

ہم نے بھائی کے سرجیکل انسٹرومینٹ یعنی سامان چیر پھاڑ اٹھایا اور اپنے چھوٹے بہن بھائیوں کو جمع کیا اور آگئے آپریشن تھیٹر میں، پھر ایک عدد مکھی پکڑی۔ اس کا بھرکس نکال کر ٹانکے لگانے کی ایکٹنگ کی پھر بچوں سے آنکھ بچا کر دوسری مکھی پکڑی اور پہلی والی مکھی کو نہایت اطمینان سے چپکے سے انگلی کے اشارے سے گرا دیا اس کی جگہ نئی مکھی رکھ دی جو فوراً اُڑ گئی سب بچے اس کام یاب آپریشن کو دیکھ کر حیرت میں مبتلا ہو گئے اور تمام گھر والوں کو یہ خبر یوں پہنچائی جیسی جنگل میں آگ لگے۔ اور ہمارے والد صاحب نے ہمیں ڈاکٹر بنانے کا پکا ارادہ کر لیا اور خیالات کے پُل باندھنے لگے۔ اور انھی خیالوں میں ہمیں ہمارے بھائی جو کہ مڈیکل کے پہلے سال میں ہیں ان کو اور مجھے ایک شان دار سی کلینک کھلوا دی، مگر ہم انھیں کیسے سمجھاتے کہ خدارا ہمیں ڈاکٹر نہ بنائیں۔ ہمارے ڈاکٹر بن جانے سے کیا لوگ صحت مند رہیں گے، مگر جناب، سنتا کون ہے یہاں تو سب سناتے ہیں۔

اب ہم نے سوچا کہ اب مکمل طور پر اور سنجیدگی سے سوچیں کہ آخر ہم بنیں کیا۔ اس لیے اب ہم نے اپنا رخ اپنے بھائی کی طرف کیا کہ انجینئر بننے جا رہے ہیں تو وہ کہنے لگے انجینئر بنو۔ تو یہ مشورہ بھی ہمارے لیے دردناک قصہ بن کر رہ گیا۔ یوں ہوا کہ ہم نے سوچا پرنس (جو ہمارا بڑا پیارا کتّا ہے) کے لیے ایک گھر بنائیں۔ یوں ہمارا پرنس خوش رہے گا۔ یہ سوچ کر ہم نے ناپ تول کر کے ایک لکڑی کا گھر بنایا، لیکن یہ کیا کہ تیسرے دن ہی زلزلہ آیا اور گھر کی دیواریں گر گئیں اور ہمارے معصوم اور بے گناہ کتّے کو اِس دیارِ فانی سے کوچ کرنے پر مجبور کر گئیں۔ یہ زلزلہ ہمارے گھر میں ماموں کے بچّوں کے آنے کی وجہ سے آیا تھا۔

یوں یہ زلزلہ اور طوفانِ بدتمیزیاں رات گئے

ختم ہوا جب وہ لوگ روانہ ہو گئے۔ پھر بھی ہم مایوس نہیں ہوئے اور کتاب اُٹھائی اور بھائی کے پاس گئے تاکہ وہ ہمیں یہ سوال سمجھا دیں مگر انھوں نے جو سمجھایا تو یوں لگا کہ جیسے بڑی زبردست گڑگڑاہٹ کے ساتھ سر پر سے ایف ۱۶ گزر گیا ہو۔ آخر ہم دل برداشتہ ہو گئے، لیکن ہماری باجی نے جب ہمیں اداس اور کھویا کھویا دیکھا تو پھر انھوں نے نئے سرے سے ہمیں امید کے سبز باغ دکھا ڈالے۔ ہم میں تو جیسے پھر سے نئی روح پڑ گئی۔ ہم نے سوچا کہ چلو ہوم اکنامکس میں ہمارے نمبر اچھے ہیں، اسی میں ایم ایس سی کر لیتے ہیں۔ پھر سیدھے اسکول سے واپس آ کر ہم نے رات کا کھانا پکانے کی پُر خلوص پیش کش کر دی۔ سب لوگ اچانک تبدیلی پر حیران تھے۔ بہرحال کھانا تو جیسا تیسا پک گیا سب اپنے چہرے کے انداز اور پہلو بدل بدل کر کھانے لگے اور بڑی مشکل سے اپنے مبارک منھ سے تعریفی کلمات آزاد کر دیے۔ بعد ازاں ہم نے گھر کی جھاڑ پونچھ کی، بستر لگائے اور گھوڑے بیچ کر سو گئے۔

صبح جب ہم دوبارہ باورچی خانے میں دھمکے تو سب لوگ سہم گئے، لیکن کہا کچھ نہیں مگر امی نے فرمایا کہ "ظلم کی حد ہوتی ہے لاؤ میں ناشتہ خود تیار کرتی ہوں۔" بغیر کچھ کہے اپنے کمرے میں آ کر اِن الفاظ پر غور کرنے لگے جو ابھی امی حضور سے سُنے تھے۔ تو اُن کا مطلب ہم پر واضح ہو چکا تھا۔ اب تو ہم بڑے سٹپٹائے کہ کیا دنیا میں ہمارے لیے کوئی شعبہ ہی نہیں رہا۔ یہ سوچ ہی رہے تھے کہ بھائی نے کیسٹ لگائی۔ ہمارے دل میں ایک خیال بجلی کی سی تیزی سے آیا کہ کیوں نہ ہم شو بزنس میں چلے جائیں۔ شہرت بھی ہے اور یوں ہمارا شوق بھی پورا ہو گا اور پھر بڑی بات یہ کہ بغیر محنت کے اتنی بڑی رقم بھی ملے گی۔ یہ خیال آتے ہی ہم نے بنیجمن سسٹرز کے گانے گانا شروع کر دیے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ سب گھر والے ہماری طرف بڑھ رہے ہیں۔ ہم سمجھے کہ شاید داد دیں گے اور ہمیں ہاتھوں ہاتھ لیں گے۔ یہ سوچ کر آنکھیں موند کر اور اونچی آواز میں گانے لگے اور یوں ہم دادِ تحسین کے منتظر تھے، مگر سب نے مل کر ایسے ہاتھ لگائے کہ ہائے۔ اب گانا گانے کا خیال بھی آتا ہے تو رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

اب ہم میں مزید ہمت نہیں رہی تھی کہ آگے سوچیں۔ آگے سوچتے ہیں تو دماغ خطرناک نتائج کی پیشن گوئی کرتا ہے اور دماغ کی لال بتی جلتی بجھتی ہے۔ کبھی کبھی ہمیں لگتا ہے کہ ہم جہاں سے چلے تھے ابھی ہم وہیں پر ہیں مگر خوشی اس بات کی ہے کہ ہمارے علم میں کچھ اضافہ ہوا اور یہ بات ہمارے سامنے آئی کہ کوئی بھی پیشہ اختیار کرنے سے آدمی کو مخلص اور محنتی ہونا ضروری ہے۔ اور پھر یہ دنیا تو فانی شے ہے۔ ہمیں چاہیے کہ ہم

دینی زندگی کے بارے میں اتنا سوچیں اور دنیاوی زندگی کو اسی طرح سے گزاریں جس طرح کا حکم ہمیں خدا نے اپنے رسول ﷺ کے ذریعہ سے دیا ہے۔ ہم چاہے جس شعبے میں بھی جائیں، مگر ایمان داری اور دیانت سے کام کریں تو کوئی وجہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں کام یاب نہ فرمائیں۔

چاند

مرسلہ: سجاد، کراچی

شب میں جب جب آئے چاند
بچوں کو بہلائے چاند
بچے کہیں جب چندا ماموں
چپکے سے مسکائے چاند
بچے بوڑھے اور جوان
سب کے من کو بھائے چاند
ظلمت ڈر کے مارے بھاگے
چہرہ جب دکھلائے چاند
تارے سب ہیں لشکر اس کے
ان پر حکم چلائے چاند
آئے نظر وہ دن میں کیوں کر
سورج سے شرمائے چاند
بچو وہ ہے رات کا راہی
دن میں تو سو جائے چاند

راکٹ

یاور مسعود، پٹارو

کیا آپ نے کبھی سوچا ہے کہ راکٹ چاند پر کیسے پہنچ جاتا ہے؟ آئیے ہم آپ کو بتائیں۔ ہوائی جہاز چاند تک نہیں پہنچ سکتا اس لیے کہ اس میں ایندھن کافی نہیں ہوتا۔ صرف راکٹ ہی چاند تک پہنچ سکتا ہے جو ایٹمی ایندھن سے چلتا ہے اور جو پٹرول کی بہ نسبت ہلکا اور کم جگہ گھیرتا ہے۔ ایٹمی قوت کے انکشاف سے قبل چاند تک کا سفر ممکن نہ تھا۔

خلائی راکٹ کا خول فولاد کا ہوتا ہے۔ فولاد کے علاوہ اور کوئی دھات اتنی تیز ہوا کا دباؤ برداشت نہیں کر سکتی۔ راکٹ کے مضبوط فولادی خول کو ایک سرنگ میں لٹکا کر اس سے آواز سے بھی زیادہ تیز رفتار سے ہوا گزارتے ہیں، تاکہ راکٹ کی مضبوطی کا یقین ہو جائے۔ نچلے حصّے سے لے کر درمیانی حصّے تک اس میں ایندھن بھرا ہوا ہوتا ہے، جسے ٹنکی کہتے ہیں۔ اس سے اوپر والے حصّے میں وہ چیزیں ہوتی ہیں جو راکٹ میں رکھ کر خاص فاصلے پر پہنچانی ہوتی ہیں، مثلاً تحقیقاتی راکٹوں میں اس جگہ کیمرے اور آوازیں صدا بند کرنے والی مشینیں ہوتی ہیں۔

خلائی راکٹوں میں مصنوعی راکٹ بھی ہوتے ہیں۔ فوجی نوعیت کے راکٹوں میں پھٹنے اور آگ لگانے والا مادّہ ہوتا ہے۔ راکٹ صرف چاند پر نہیں بھیجے جاتے،

انھیں کسی بھی مقررہ مقام پر بھیجا جاسکتا ہے۔ آیئے اب ہم دیکھیں کہ یہ اُڑتا کیسے ہے۔ جیسا کہ آپ نے ابھی پڑھا کہ راکٹ کے نچلے حصّے سے لے کر درمیانی حصّے تک ایندھن ہوتا ہے۔ جب اس میں آگ لگائی جاتی ہے تو وہ ایندھن کی آگ کوئی دوسرا راستہ نہ پاکر طاقت کے ساتھ نیچے بڑے سے سوراخ سے باہر نکلتی ہے۔ راکٹ کو دھکّا لگتا ہے اور وہ اوپر اٹھتا چلا جاتا ہے۔ چاند تک جانے والے راکٹوں میں ایندھن کی ایک ٹنکی کے بجائے تین ٹنکیاں ہوتی ہیں۔ ان راکٹوں میں یہ خصوصیت ہوتی ہے کہ جب ایک ٹنکی کا ایندھن ختم ہو جاتا ہے تو وہ خود بہ خود راکٹ سے الگ ہو جاتا ہے، تاکہ اس کے وزن کی وجہ سے راکٹ کی رفتار سست نہ ہو جائے۔ تین ٹنکیوں سے زیادہ ٹنکیاں بھی راکٹ میں لگائی جاسکتی ہیں۔ ممکن ہے دوسرے سیاروں تک پہنچنے کے لیے زیادہ ٹنکیاں لگانی پڑیں۔ اس طرح راکٹ اُڑتا ہے۔

زندگی کی چاشنی

عمران اسماعیل، کراچی

سردیوں کا موسم تھا۔ ایک دن ایک بادشاہ برف پر پھسلنے والی گاڑی پر بیٹھا دریا پار کر رہا تھا۔ راستے میں اُسے ایک آدمی دکھائی دیا جو برفانی پانی میں چمڑا دھو رہا تھا۔ بادشاہ نے کوچوان کو رُکنے کا حکم دیا اور اپنی گاڑی سے اُتر کر چمڑا دھونے والے کے پاس گیا اور اس سے سوال کیا،

"پانچ، سات کی مدد کیوں نہیں کرتے؟"

بادشاہ کا سوال سُن کر وہ آدمی گڑبڑا گیا، لیکن اس نے فوراً اپنی عقل سے کام لیا اور کہا،

"کیوں کہ بتیس اُس کا انتظار نہ کریں گے؟"

اب بادشاہ الجھن میں پڑ گیا۔ اُس نے خوب سوچ بچار کیا، لیکن بات کی تہ تک پہنچنے میں کام یاب نہ ہوا۔ اس نے اس شخص کو دوسرے دن شاہی محل میں حاضر ہونے کا حکم دیا۔ دوسرے دن وہ شخص محل آیا تو بادشاہ نے اس سے پوچھا،

"کیا میرے کل کے جملے کا مطلب تمھاری سمجھ میں آیا؟"

"جی ہاں، پانچ کا مطلب ہے گرمیوں کا موسم اور سات کا مطلب ہے سردیوں کا موسم۔" اس نے جواب دیا، "اور بتیس سے میرا مطلب ہے انسان کے دانت اور اس کا مطلب ہے کہ گرمیوں کے پانچ مہینوں میں اتنا غلّہ نہیں پیدا کیا جاسکتا کہ بتیس دانتوں کی بھوک پوری ہو سکے اس لیے مجھے سردیوں کے موسم میں بھی کام کرنا پڑتا ہے۔" بادشاہ اس شخص کی ذہانت اور حاضر جوابی سے اس قدر خوش ہوا کہ اس نے اسے تیس اشرفیاں انعام میں دیں، لیکن بادشاہ نے ایک شرط رکھی، "تم ان اشرفیوں کو اس وقت تک خرچ نہیں کر سکتے جب تک کہ تم

میرا چہرہ دس دفعہ نہیں دیکھ لیتے۔" چمڑا صاف کرنے والے کو کھانا کھانے کی شدید خواہش ہوئی۔ اس کے پاس بادشاہ کی دی ہوئی اشرفیوں کے سوا اور کوئی رقم نہ تھی۔ چناں چہ وہ سوچنے لگا کہ اس رقم کو کس طرح خرچ کرے کہ بادشاہ بھی ناراض نہ ہو۔ آخر اس نے خطرہ مول لیتے ہوئے ساری اشرفیاں خرچ کر دیں۔ کسی نے یہ خبر بادشاہ تک پہنچا دی۔ بادشاہ نے اسے دوبارہ شاہی محل میں طلب کر لیا، "تم نے اپنا وعدہ پورا نہیں کیا؟" بادشاہ نے غضب ناک ہو کر پوچھا۔

"جناب عالی، ہر ایک اشرفی کو خرچ کرنے سے پہلے میں اسے اُلٹ پلٹ کر آپ کا چہرہ دیکھ لیا کرتا تھا۔ چناں چہ مجھے یقین ہے کہ میں نے آپ کی نافرمانی نہیں کی۔"

بادشاہ ہنسنے لگا۔ یہ سچ تھا کہ اس شخص نے اپنا وعدہ پورا کیا تھا، "تم جا سکتے ہو، میں تمھیں سزا نہیں دوں گا، کیوں کہ تمھاری باتوں میں زندگی کی چاشنی ہے۔" (ایک روسی کہانی سے ماخوذ)

منزل

عمردراز قریشی، کراچی

راشد کے والدین ایک غریب گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔ راشد کے والد کا انتقال اس کے بچپن میں ہی ہو چکا تھا۔ راشد کی والدہ محلّے والوں کے کپڑے سی کر گزارا کرتی تھیں۔ راشد ساتویں جماعت کا طالبِ علم تھا۔ اس کو پڑھنے لکھنے کا بہت شوق تھا۔ وہ ہمیشہ اپنی کلاس میں اچھے نمبروں سے پاس ہوتا تھا۔ راشد کی والدہ کی خواہش تھی کہ ان کا بیٹا بڑا ہو کر حکیم بنے اور دوسروں کے کام آئے۔ دن گزرتے گئے۔ راشد نے میٹرک کے امتحان میں پہلی پوزیشن حاصل کی۔ راشد کی والدہ اب بہت بوڑھی ہو چکی تھیں۔ ان کو اب اچھی طرح دکھائی بھی نہیں دیتا تھا، اس لیے اب محلّے کے لوگوں نے اُن سے کپڑے سلوانا بند کر دیے تھے۔ راشد کی والدہ نے اپنی جمع پونجی سے راشد کا داخلہ طبیہ کالج میں کروا دیا۔ راشد نے پڑھنے کے ساتھ ساتھ ملازمت بھی شروع کر دی۔ وہ صبح کالج جاتا اور رات کو نائٹ ڈیوٹی کرتا۔ ایک دفعہ راشد کی والدہ کی طبیعت بہت خراب ہو گئی تو انھوں نے راشد کو اپنے پاس بُلایا اور کہا، "بیٹا میری بات ہمیشہ یاد رکھنا اور غریبوں کا علاج مفت کرنا اور کبھی زیادہ فیس لینے کی کوشش نہ کرنا۔ اللہ تجھے کا....میا...ب...کرے۔"

اس کے ساتھ ہی راشد کی والدہ کی گردن ایک طرف لڑھک گئی اور وہ اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملیں۔ راشد کی زندگی میں طوفان آ گیا۔ اُس نے اپنے دل میں عہد کیا کہ وہ ماں کی نصیحت ہمیشہ یاد رکھے گا۔

دن گزرتے گئے۔ راشد نے حکمت کا امتحان

دیا اور امتحان میں اوّل آیا۔ راشد آج بہت خوش
تھا۔ اس کی آنکھوں سے خوشی کے آنسو جاری ہو
گئے۔ اُس کو آج اپنی منزل مل گئی تھی۔ وہ اپنی
والدہ کی قبر پر گیا فاتحہ پڑھی اور ان کی نصیحت
کو ہمیشہ یاد رکھنے کا ایک بار پھر عہد کیا۔

جی الانہ

محمد نعیم ملک، میر پور خاص

غلام علی الانہ جنھیں عموماً جی الانا کہا
جاتا ہے۔ ۲۲ اگست ۱۹۰۶ء کو کراچی میں پیدا ہوئے۔
اگرچہ آپ کو انٹرسائنس تک باقاعدہ تعلیم حاصل کرنے
کا موقع ملا، لیکن پھر بھی آپ نے محنت و مطالعے کو
اپنا شیوہ بنا کر وہ منزل پائی جس کا عام آدمی تصور بھی نہیں
کر سکتا۔ آپ نے اپنی علمی لیاقت اور ادبی صلاحیتوں
کا ایسا لوہا منوایا کہ علم و ادب اور حکمت و دانش کی دنیا
کے عظیم لوگ ڈی لٹ کی اعزازی سندیں اور پوئٹ
دی لاریٹ کے خطابات آپ پر نچھاور کرنے کے
لیے مجبور ہو گئے۔

غلام علی الانہ ادبی حلقوں میں جی الانہ کے
نام سے معروف تھے۔ آپ نے اپنی قلمی کاوشوں کے
طفیل اپنے وطن کا نام پوری دنیا میں روشن کیا۔ پوری
دنیا میں پہچانے جانے والے اس دانش ور نے
تحریک پاکستان میں بھی بھرپور حصّہ لیا اور فرنگیوں کے
زمانے میں سندھ مسلم لیگ کے سرگرم کارکنوں اور
قیادت کرنے والوں میں شامل رہے۔ آپ کی رفیقۂ
حیات پہلی سندھی خاتون ہیں جو سندھ اسمبلی کے ایوان
تک پہنچیں اور اعلا عہدوں پر فائز رہیں۔

جی الانہ صاحب بانیِ پاکستان قائدِ اعظم سے
عقیدت اور محبّت کی وجہ سے سیاست کی طرف
راغب ہوئے تھے، لیکن ۱۹۵۸ء کے مارشل لا کے
بعد آپ نے سیاست کو الوداع کہہ دیا۔

بلاشبہ جناب جی الانہ تقسیم ہند سے بہت پہلے
علم و ادب کی دنیا میں آچکے تھے اور آپ شاعر کے
علاوہ ایڈیٹر کی حیثیت سے بھی جانے جاتے تھے،
لیکن درحقیقت آپ کی ادبی زندگی کا آغاز ۱۹۵۰ء
کے بعد ہوا۔ ۲۶ سال کے اس عرصے میں الانہ صاحب
نے ایک درجن سے زائد عالمی، ادبی اعزازات حاصل
کیے۔ سندھی، اردو اور انگریزی میں تاریخ، ادب اور
شاعری کے موضوعات پر آپ کی دو درجن سے زائد
کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔

جی الانہ صاحب کی سوانح حیات اَن گنت
سبق آموز واقعات سے بھری ہوئی ہے۔ کراچی کے
میئر ہونے سے لے کر اقوامِ متحدہ کے چلی ٹرسٹ
فنڈ کے چیئرمین ہونے کے اعزاز تک آپ نے
بہت سے سرکاری، غیر سرکاری ملکی اور بین الاقوامی عہدوں
پر کام کیا۔ علاوہ ازیں آپ پاکستان کے نام وَر اور
معروف تاجروں میں سے تھے۔ ایک واچ کمپنی کے
مالک ہونے سے معروف مالی و تجارتی اداروں کے
ڈائریکٹر یا سربراہ ہونے تک آپ کی زندگی اور زندگی

کا ایک ایک دن جدوجہد اور محنت کی مکمل داستان پیش کرتا ہے۔ آپ اپنی ذات میں ایک انجمن تھے۔

آپ نے ایک ایسا ادبی منصوبہ اپنے ہاتھ میں لے لیا جس کی تکمیل آپ کو ادبی دنیا میں امر کرنے کے لیے کافی ہے۔ سب سے پہلے آپ نے عظیم انقلابی اور انسانیت دوست شاعر شاہ عبد اللطیف بھٹائی کے منتخب کلام کا منظوم ترجمہ کیا۔ یہ ترجمہ حکومتِ سندھ کے زیر اہتمام شائع ہوا اور اہلِ علم کی نظروں میں الانہ صاحب کی عزت اور منزلت اور بڑھ گئی۔ اس ترجمے کے معیار کو نظر میں رکھتے ہوئے انسٹیٹیوٹ اوف سندھیالوجی نے الانہ صاحب سے گزارش کی کہ سندھ کے چار کلاسیکی شعرا شاہ عنایت، شاہ لطیف، سچل سرمست اور ساقی کے منتخب کلام کا منظوم ترجمہ کریں۔

انگریزی شاعری پر الانہ صاحب کو مکمل عبور حاصل تھا۔ لہٰذا آپ نے قلیل عرصے میں اس کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔ بے شک الانہ صاحب نے سندھ کے ان چار کلاسیکی شعرا کو انگریزی ادب میں متعارف کرا کر ایک بڑا کارنامہ سرانجام دیا۔ اگر الانہ صاحب کو سندھ کا فٹز جیرالڈ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا۔

آپ مسلم لیگ کے سیکریٹری جنرل اور پاکستان لیجسلیٹیو اسمبلی کے سرگرم کارکن بھی رہے۔ آپ ہی نے فیڈریشن اوف کامرس اینڈ انڈسٹریز پاکستان کی بنیاد رکھی تھی۔ اس کے علاوہ آپ انٹرنیشنل اوگنائزیشن اوف امپلائرس کے صدر بھی رہے اور یونائیٹڈ پوئٹس لاریٹ انٹرنیشنل کے نائب صدر بھی رہے۔

پاکستان کے اس عظیم سپوت کا انتقال ۸ مارچ ۱۹۸۵ء کو ہوا۔

ذہانت کا مقابلہ

تنویر عندلیب، لاہور

کسی زمانے میں ایک ملک میں ایک بادشاہ حکم راں تھا۔ وہ انتہائی جاہ و جلال اور شان و شوکت کا مالک تھا۔ لیکن اس کی صرف تین بیٹیاں تھیں، لڑکا کوئی نہیں تھا۔ اس کی سب سے چھوٹی بیٹی کا نام نیلوفر تھا وہ بہت خوب صورت، زیرک اور ذہین تھی۔

ایک روز بادشاہ نے اپنے ملک میں اعلان کروایا کہ جو شخص میرے تین سوالوں کا صحیح جواب دے گا اس کی شادی اس کی سب سے چھوٹی شہزادی نیلوفر سے کر دی جائے گی اور بادشاہ کے نصف ملک کی حکم رانی بھی سونپ دی جائے گی، لیکن اگر کوئی شخص بادشاہ کے تینوں میں سے ایک کا بھی صحیح جواب دینے سے قاصر رہے گا، اُس کا سر قلم کر دیا جائے گا۔ یہ خبر ملک میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی اور ملک کے دُور دراز علاقوں سے عوام، شہزادے اور بڑے بڑے عالم فاضل جوق در جوق دربار میں آنے لگے، لیکن بد قسمتی سے صحیح جواب بتانے سے قاصر رہے اور یوں لقمۂ اجل بن گئے۔

اسی ملک کے ایک چھوٹے سے قصبے میں ایک

نوعمر چرواہا رہتا تھا، جس کی عمر تقریباً بارہ سال تھی۔ اس کا نام واجد تھا۔ وہ ایک بیوہ عورت کا اکلوتا بیٹا تھا۔ دونوں ماں اور بیٹا جنگل کے قریب ایک چھوٹی سی جھونپڑی میں رہتے تھے۔ واجد کا کام روز جنگل میں بھیڑ بکریاں چرانا اور شام کو ان جانوروں کا دودھ نزدیک کے شہر میں جاکر فروخت کرنا تھا۔ ماں اور بیٹے کی دن بھر کی محنت مزدوری کے باوجود انھیں ڈھنگ کا کپڑا اور کھانا بھی میسّر نہ تھا۔ واجد اپنی اس زندگی سے اُکتا چکا تھا۔ پڑھنے لکھنے کا انتہائی شوق رکھنے کے باوجود وہ تعلیم سے محروم تھا۔ اس کی غربت اس کی تعلیم میں رکاوٹ تھی، لیکن وہ خداداد صلاحیت اور عقل و دانش کا مالک تھا۔

ایک روز، جب کہ وہ شہر میں دودھ فروخت کر رہا تھا، اسے بھی بادشاہ سلامت کے اس اعلان کی سُن گُن لگی۔ چرواہا لڑکے نے دل میں عہد کیا کہ وہ بادشاہ سلامت کے دربار میں حاضر ہوگا اور تینوں سوالوں کے صحیح جواب دے گا۔ اس نے دوسرے روز کرائے پر شہزادوں جیسا جوڑا زیب تن کیا اور بادشاہ کے حضور میں حاضر ہوا۔

بادشاہ نے اس کم سن، مگر ہوشیار لڑکے سے مخاطب ہو کر کہا، "بیٹے، کیوں اپنی جان کے دشمن بنتے ہو، یہاں تو بڑے بڑے عالم فاضل اور تجربے کار ہار گئے اور موت کے گھاٹ اُتار دیے گئے۔ تم تو ابھی بچے ہو اور ان کے مقابلے میں کم علم اور ناتجربےکار بھی۔"

واجد نے جھک کر بادشاہ سلامت کا آداب بجالاتے ہوئے کہا، "ناچیز کو بھی ان تینوں سوالوں سے آگاہ کیا جائے، چاہے میرے نصیب میں تخت ہو یا تختہ۔"

واجد کے مسلسل اصرار اور منت سماجت کے بعد بادشاہ سلامت نے اسے تینوں سوالوں سے یکے بعد دیگرے آگاہ کر دیا۔ وہ شکریہ ادا کر کے وہاں سے روانہ ہو گیا۔ بادشاہ سلامت نے تینوں سوالوں کے جواب دینے اور سوچ و بچار کی مدّت دس دن مقرر کی تھی۔ واجد جواب کی تلاش میں گھوڑے پر سوار ہوا اور تمام ملک چھان مارا۔ اس نے بڑے بڑے عالم فاضل، تجربے کار اور عمر رسیدہ لوگوں سے اس بارے میں پوچھا۔ ہر جگہ کی خاک چھانی، مگر اسے کہیں بھی کام یابی نہیں ہوتی۔ کوئی شخص بھی بادشاہ سلامت کے سوالات کے صحیح جواب دینے میں کام یاب نہیں ہو سکا۔ دس دن کی مدّت ختم ہونے کے بعد واجد حسبِ وعدہ بادشاہ سلامت کے دربار میں حاضر ہوا۔

اس روز معمول کے مطابق تمام درباری حاضر تھے۔ ان کے علاوہ امرا و وزرا اور ملک کے دیگر معزز شہری بھی واجد کا جواب سُننے کے لیے پہلے سے موجود تھے۔ بادشاہ سلامت نے درباریوں کی موجودگی میں واجد سے پہلا سوال دُہرایا، "میں اگر تمام دنیا کا چکّر لگانا چاہوں تو مجھے کتنا عرصہ لگے گا؟"

واجد نے جواب دیا، "بادشاہ سلامت، جب صبح صادق کے وقت سورج مشرق سے طلوع ہو تو آپ عین اس وقت اپنے گھوڑے پر سوار ہو جائیں اور سورج کے ساتھ ساتھ گھوڑے کو چلاتے جائیں، سورج تمام دنیا کی مسافت طے کر کے مغرب میں غروب ہوتا ہے۔ اس طرح آپ کو کُل بارہ گھنٹے لگیں گے۔ آپ بھی سورج کے ساتھ ساتھ بارہ گھنٹوں میں تمام دنیا کا چکّر لگا سکتے ہیں۔"

بادشاہ سلامت نے واجد سے دوسرا سوال دہرایا، "میں اس وقت تمھارے سامنے ہیروں اور جواہرات سے مزیّن سونے کے تخت پر بیٹھا ہوں، میرا سونے کا تاج بھی ہیرے جواہرات سے بنا ہوا ہے۔ میرے خزانے بیش قیمت اور نایاب ہیروں اور جواہرات اور سونے چاندی کے انباروں سے بھرے ہوئے ہیں۔ اگر ان تمام ہیروں، جواہرات اور سونے چاندی کو ترازو کے ایک پلڑے میں رکھا جائے اور دوسرے پلڑے میں میں بیٹھ جاؤں تو تمھارے خیال میں میری کیا قیمت ہو گی؟"

واجد نے نہایت خود اعتمادی اور دانش مندی سے جواب دیا، "ہمارا چوں کہ عیسائی عقیدے سے تعلق ہے اور ہمارے عقیدے کے مطابق حضرت عیسیٰؑ کے زمانے میں ان کی قیمت فقط سترہ دینار تھی۔ اس لیے آپ کی قیمت ان کی قیمت سے کسی صورت میں زیادہ یا برابر نہیں ہو سکتی، اس لیے تمام ہیرے جواہرات اور سونے چاندی کے انبار کے ساتھ آپ کی قیمت کم از کم سولہ دینار ہو سکتی ہے۔"

بادشاہ سلامت نے واجد کو اپنا تیسرا اور آخری سوال سُنایا، "بتاؤ، میں اس وقت کیا سوچ رہا ہوں؟"

واجد نے فوراً جواب دیا، "آپ سوچ رہے ہیں کہ میں اس شان دار اور قیمتی جوڑے میں کوئی شہزادہ ہوں، حال آنکہ میں ایک یتیم، مفلس اور نہایت غریب چرواہا ہوں۔"

بادشاہ سلامت اور دربار میں موجود تمام درباری، امرا اور وزرا اس کم سن، مگر ذہین لڑکے کے تینوں سوالوں کے صحیح جوابات سُن کر حیران رہ گئے۔ آخر واجد کی شادی حسبِ اعلان بادشاہ کی سب سے چھوٹی شہزادی نیلوفر سے انتہائی دھوم دھام سے ہو گئی اور اس طرح واجد کو بادشاہ سلامت کی آدھی سلطنت کی حکم رانی بھی مل گئی۔ (انگریزی سے ماخوذ)

او پاس ہونے والے

مرسلہ: عبدالرحمٰن، جھنگ

او پاس ہونے والے، ہم کو بھی ساتھ لے لے
ہم رہ گئے اکیلے
کتنی خوشی سے اپنا جیون گزر رہا تھا
اِک ساتھ رہ کے کیسا بچپن گزر رہا تھا
کس کام کا ہے پڑھنا جو دوستی سے کھیلے
او پاس ہونے والے ہم کو بھی ساتھ لے لے
ہم رہ گئے اکیلے

وہ تیرے ساتھ جاکر گلیوں کی سیر کرنا
اسکول سے نکل کر باغوں کی سیر کرنا
جب تُو نہیں تو اب ہم جائیں کہاں اکیلے
او پاس ہونے والے، ہم کو بھی ساتھ لے لے
ہم رہ گئے اکیلے

وہ کھیل کھیل میں ہی کچھ دیر روٹھ جانا
پھر ایک دوسرے کو آپس ہی میں منانا
اب کون پاس آئے اب کون ساتھ کھیلے
او پاس ہونے والے ہم کو بھی ساتھ لے لے
ہم رہ گئے اکیلے

پھر فیل ہو گئے ہم اب گھر کو کیسے جائیں
کیا شکل لے کے اپنے ماں باپ کو دکھائیں
چاروں طرف لگے ہیں ناکامیوں کے میلے
او پاس ہونے والے، ہم کو بھی ساتھ لے لے
ہم رہ گئے اکیلے

برائی کا بدلا برائی نہیں

ارم آفتاب، کراچی

بہت دِنوں کی بات ہے کہ بغداد کے بڑے راستے سے ایک امیر اپنے خادموں کے ساتھ جارہا تھا۔ اسی وقت ایک فقیر وہاں سے گزرا۔ امیر کو دیکھ کر اس سے خیرات مانگی۔ امیر فقیر کے سوال کرنے پر غصّے میں آگیا۔ امیر نے نہ صرف فقیر کو بُرا بھلا کہا بلکہ پتّھر اُٹھا کر زور سے فقیر کو مارا کہ اس کا سر پھٹ گیا۔ فقیر نے امیر کے جانے کے بعد پتّھر کو اٹھایا اور کہنے لگا کہ میں اس پتّھر کو سنبھال کر رکھوں گا۔ وہ وقت ضرور آئے گا جب میں یہ پتھر اس کو مار کر اپنی بے عزّتی کا بدلا لوں گا۔ فقیر نے وہ پتّھر سنبھال کر رکھ لیا۔ اٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے یہ پتھر اس کے پاس رہتا۔ اس بات کو بارہ ماہ گزر گئے۔ ایک دن صبح کو فقیر اسی راستے سے گزر رہا تھا کہ آدمیوں کا ایک بڑا مجمع دیکھا۔ ایک آدمی گدھے پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس کو لوگ بُرا بھلا کہتے اور پتّھر مارتے جا رہے تھے۔ فقیر نے لوگوں سے پوچھا کہ یہ کون ہے؟ انھوں نے فقیر کو بتایا کہ خلیفۂ وقت اپنے ایک امیر پر ناراض ہوتے ہیں۔ اس لیے اس کو یہ سزا دی گئی ہے۔ فقیر نے آگے بڑھ کر دیکھا تو گدھے پر وہ امیر بیٹھا ہوا نظر آیا، جس نے بارہ ماہ پہلے پتّھر مار کر اس کا سر پھاڑ دیا تھا۔

فقیر نے سوچا کہ اب وقت آگیا ہے کہ میں اس ظالم سے بدلا لوں۔ اس نے وہ محفوظ پتّھر نکالا اور مارنے ہی والا تھا کہ اس کو خیال آیا کہ اس امیر نے مجھ سے بُرائی کی تھی، لیکن میرا یہ کام نہیں ہے کہ اس سے برائی کروں، کیوں کہ "برائی کے بدلے میں بھی بُرائی کرنا اچھا نہیں۔ اچھا یہ ہے کہ جو بُرائی کریں، اُن سے اچھائی کی جائے لیکن اچھائی نہ ہو سکے تو کم سے کم برائی سے گریز کرنا چاہیے۔ (سندھی سے ترجمہ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

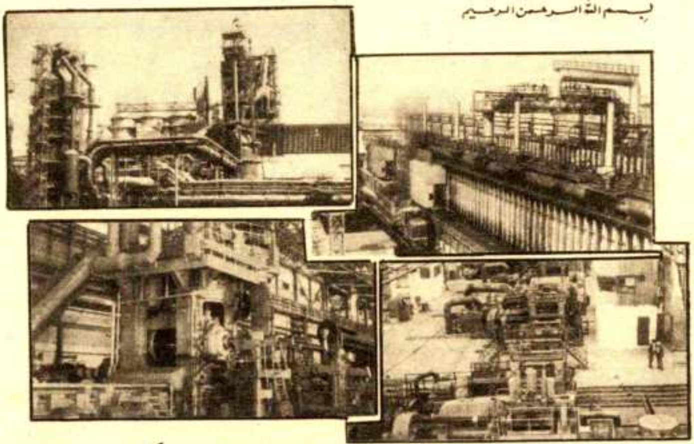

الحمدللہ

پاکستان اسٹیل اب پوری طرح اپنے پیداواری عمل کا آغاز کر چکا ہے

تقریباً تین سال سے زیادہ عرصے سے ہمارے کارخانے بلاسٹ فرنس، کوک اوون بیٹری، سنٹرنگ پلانٹ اور تھرمل پاور پلانٹ بہترین کارکردگی کا مظاہرہ کر رہے ہیں۔ اسٹیل میکنگ کمپلیکس اور بلٹ مل بھی دو سال سے زیادہ عرصے سے نہایت اطمینان بخش طور پر کام کر رہے ہیں۔
ہاٹ اسٹرپ مل، جس کی تکمیل دسمبر ۱۹۸۳ء میں ہوئی، مسلسل مصروف کار ہے۔ کولڈ رولنگ مل بھی دسمبر ۱۹۸۴ء میں مکمل ہو چکا ہے اور اس کے تمام حصوں میں کام ہو رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور ہمارے انجینئروں، میٹالرجسٹوں و دیگر کارکنوں کی محنت کی بدولت پاکستان اسٹیل ہر طرح مکمل ہے اور ساتھ ہی.....

ایک عظیم مقصد بھی!

پاکستان اسٹیل

فولاد ۔ مضبوط پاکستان کی بنیاد

PID (1)

manhattan International

بزمِ نونہال

جناب حکیم محمد سعید صاحب کا جاگو جگاؤ بہت اچھا لگا۔ لطیفے اچھے تھے۔ کہانیاں دل چسپ اور مزے دار تھیں۔ نظمیں بھی خوب تھیں۔ الغرض اپریل کا شمارہ سُپر ہٹ تھا۔

محمد حسین شاد، سرائے سدھو

■ تقریباً دو سال سے ہم دونوں بھائی اسی شوق اور لگن سے دوبارہ نونہال پڑھ رہے ہیں۔ جہاں تک نونہال کے معیار کی بات ہے تو بلاشبہ یہ پہلے سے بہت بہتر ہو گیا ہے اور وقت کے ساتھ ساتھ چل رہا ہے۔ میرے نزدیک پاکستان میں اس وقت بچّوں کے رسالوں میں نونہال اپنے معیار کے لحاظ سے سرِفہرست ہے اور اس کی ایک بڑی وجہ جناب حکیم محمد سعید کی سرپرستی ہے۔

طارق وسیم، کراچی

■ نونہال میں تقریری مقابلہ کروایا کریں۔ ہر ماہ مضمون دے دیا کریں۔ بچّوں میں تقریر لکھنے کی صلاحیتیں پیدا ہوں گی۔

لیاقت حسین، ناظم آباد

■ سرورق پسند آیا۔ حکیم محمد سعید صاحب کا جاگو جگاؤ اور کارٹون بہت اچھے تھے۔ البتہ لطیفے زیادہ مزے دار نہیں تھے۔

محمد وحید، راول پنڈی

■ ہمیں مارچ کا نونہال نہیں ملا۔ جب بھی بک اسٹال پر جاتے ہیں بک سیلر کہہ دیتا ہے کہ ہمدرد نونہال شائع نہیں ہوا۔ کیا کبھی ایسا بھی ہوا ہے کہ کسی ماہ نونہال کسی مجبوری کی وجہ سے شائع نہ ہو۔ نسرین انجم، شکیلہ جبیں، یوسعید آباد

■ ساری کہانیاں بکواس اور گھسی پٹی تھیں۔ جس نونہال کی ساری تصاویر میں کارٹون بنے ہوں وہ رسالہ بور لگتا ہے۔

علی محمد، محمد اسمٰعیل، آفتاب احمد، کراچی

■ میں نونہال بہت شوق سے پڑھتی ہوں۔ تمام کہانیاں اچھی تھیں۔ مجھے "کتاب "سنہرے اصول" چاہیے۔ بتایئے کیا کروں؟ غوثیہ قاسم، کراچی

> ہمدرد سنٹر، ناظم آباد ۳ یا صدر میں اقبال بک ڈپو یا اردو بازار میں کراچی بک ڈپو سے یہ کتاب اور ہمدرد کی دوسری کتابیں خرید سکتی ہو۔

■ ہمدرد نونہال بے حد پسند ہے۔ اس میں ہر چیز ہوتی ہے لیکن اس میں آپ اسلامی مہینے نہیں لکھتے؟ رضی الدین، کراچی

> پہلے صفحے پر ہر بار اسلامی مہینہ لکھا ہوتا ہے۔

■ مجھے نونہال میں سب سے زیادہ خیال کے پھول، جاگو جگاؤ، چالاک خرگوش بہت پسند آتے ہیں۔ نسرین اسلم، کراچی

■ کوہِ مری کی سیر (نونہال ادیب) میں درخت کا نام آپ نے دیلوار لکھا ہے۔ حال آنکہ دیودار ہونا چاہیے تھا۔

حمید سمیع، نوشہرو فیروز

> تمھارا خیال صحیح ہے۔ دیودار کے بجائے دیوار چھپ گیا ہے۔

■ جاگو جگاؤ، کہانیوں میں شوقِ شرارت، باورچی خانے میں موت، جوتے کا کمال، اور سلسلے وار کہانی چالاک خرگوش پسند آئیں۔

سمیع اللہ خان، نارتھ کراچی

■ مارچ کے صفحہ نمبر ۸۶ پر ۱۷ لائن میں لکھا ہے کہ "مچھلیاں بھی چنخنے لگی ہیں" حال آنکہ صحیح لفظ یہ ہے کہ مچھلیاں بھی چیخنے لگی ہیں۔ تمام کہانیاں دل چسپ تھیں۔ نازیہ ثمرین، گلشن اقبال

> واقعی تم نے خوب غلطی پکڑی، اس لفظ کے نیچے ایک نقطہ زیادہ لگ گیا تھا۔

■ نونہال میں ساری کہانیاں بے حد خوب صورت اور سبق آموز ہوتی ہیں۔ محمد ادریس رضا، کراچی

■ اس ماہ کا رسالہ لاجواب تھا۔ تمام کہانیاں خصوصاً "چالاک خرگوش"، "اناڑی معالج"، "جوتے کا کمال" اور "سات شیخی باز" پسند

آئیں۔ جاگو جگاؤ حسبِ معمول نصیحت آموز تھا۔ لطائف بھی اچھے تھے۔ "علمی تحفہ" کا آغاز بھی اچھا ہے۔ ٹائٹل کچھ خاص نہیں تھا۔

عبدالرشید تبسم، بہاول پور

■ ہمارا رسالہ نونہال کسی بھی تعریف کا محتاج نہیں۔ ہم یہ دعا کرتے ہیں کہ "اے خدا! نونہال اور پاکستان کی عمر کبھی بھی ختم نہ کرنا اور یہ دونوں ترقی کرتے ہی چلے جائیں۔"

فرقان احمد خاں، کراچی

■ مارچ کا شمارہ پڑھ کر خوشی بھی ہوئی اور دکھ بھی۔ خوشی اس بات پر ہوئی کہ تمام کی تمام کہانیاں اچھی تھیں اور دکھ اس لیے ہوا کہ نونہال جیسے واحد رسالے میں بھی نقل شدہ تحریریں چھپتی ہیں۔ یعنی نونہال نظمیں اور لطیفے نقل شدہ بھیج رہے ہیں۔

محمد رحیم بلوچ، کراچی

■ ہمیشہ کی طرح جاگو جگاؤ بے حد پسند آیا۔ لطیفوں کا معیار بالکل گر چکا ہے اور سونے پر سہاگہ یہ کہ آپ نے اس کا نام بھی بدل دیا ہے۔ آپ اسے ہنسو بچو ہنسو میں دوبارہ بدل دیں۔ یہ میری آپ سے ایک درخواست ہی سمجھیے۔ میرے ایک نونہال بھائی نے آپ سے کہا تھا اسلامی حکایتوں کے نام سے ایک سلسلہ شروع کیجیے۔

ایس شہاب احمد، کراچی

بہت اچھا، آپ دو تین حکایتیں لکھ کر بھیجیے۔

■ اناڑی معالج اور جوتے کا کمال پسند آئیں۔ نونہال ادیب کی کہانیاں یکسانیت کا شکار ہیں۔ اکثر کہانیوں میں ایک غریب بڑھیا اور اس کے بیٹے یا مچھیرے اور لکڑہارے کا ذکر ہوتا ہے۔ میرا مشورہ ہے نونہال کو بہتر بنانے کے لیے مختلف انداز کی کہانیاں نونہال ادیب میں شائع کریں۔

محمد قیصر امام، کراچی

■ چالاک خرگوش، باورچی خانے میں موت اور جوتے کا کمال اچھی کہانیاں تھیں۔ لطیفے بھی اچھے تھے۔

عبدالسلام خان، کراچی

■ نونہال میں کہانیوں کا معیار بڑھتا جا رہا ہے۔ نونہال کو اور نکھارنے کے لیے ایک تجویز ہے کہ آپ نونہال میں ایک اسلامی صفحہ قانون سے متعلق شروع کر دیں۔

محمد سہیل جمیل احمد، کراچی

■ میں شرطیہ یہ کہتا ہوں کہ جو معلومات نونہال میں ہیں اور کسی رسالے میں نہیں ہوتیں، لیکن اس میں آدھے سے زیادہ لطائف نقل شدہ ہوتے ہیں اور جناب حکیم محمد سعید کا جاگو جگاؤ اور جناب مسعود احمد برکاتی کی پہلی بات ہم کو سب سے زیادہ پسند آتی ہے اور پی جی وڈ ہاؤس کی شوقِ شرارت اور جناب کرشن چندر کا چالاک خرگوش اور جناب علی اسد کی باورچی خانے میں موت اور محترمہ فردوس فضل کا اناڑی معالج، جناب مہروز اقبال کا جوتے کا کمال بہت پسند آئیں۔

رانا ارمان الدین

■ لطیفے بھی اچھے تھے۔

محمد ظفر، کراچی

■ حکیم محمد سعید نے جو بات جاگو جگاؤ میں کہی اس نے دل پر بہت اثر کیا۔ اس کے علاوہ اس ماہ کی نظمیں، مضمون، کہانیاں اور لطیفے بھی اچھے ہیں۔

ارم فضل، کراچی

■ حکیم صاحب کا جاگو جگاؤ اور برکاتی صاحب کی پہلی بات ہمارے لیے مشعلِ راہ ہے۔ باورچی خانے میں موت، سات شیخی باز، اناڑی معالج اور نونہال ادیب میری پسندیدہ تحریریں تھیں۔

رانا حامد کلیم، کراچی

■ اگر آپ نے میرا خط شائع نہ کیا تو میں پھر بھی خط لکھتا رہوں گا کبھی تو میرا خط ردی کی ٹوکری سے بچ جائے گا۔

محمد اجمل نعیم، ملتان

لو بھئی، یہ تو بچ گیا۔

■ اس ماہ کا سرورق اچھا نہیں تھا۔ حکیم محمد سعید صاحب کا جاگو جگاؤ اور مسعود احمد برکاتی صاحب کا مضمون "لکھنے کا شوق" بے حد اچھے تھے۔ باقی تمام کہانیاں بھی اچھی تھیں، لیکن "شوقِ شرارت" (پی جی وڈ ہاؤس) اور باورچی خانے میں موت (جناب علی اسد) دونوں پسند نہیں آئیں۔ نظموں میں "اے خدا، اے خدا" (جناب حامد اللہ افسر) اور پھول کی فریاد (جناب غنی دہلوی) بہت پسند آئیں۔

جے آئی ساغر، کراچی

■ گردے صفائی کی بہترین مشین پڑھ کر معلومات میں اضافہ ہوا۔ ہم سب کی دعا ہے اللہ تعالیٰ جناب حکیم محمد سعید صاحب جیسے انسان کو ہزاروں سال لمبی زندگی عطا فرمائیں کیوں کہ ان جیسے محسن کی ملک میں ابھی بہت ضرورت ہے۔

ثمرین عزیز شیخ، کراچی

■ تحفۂ خیال کے پھول، طب کی روشنی میں، ہمدرد انسائیکلوپیڈیا مجھے بہت پسند آتے ہیں۔

عبدالرزاق عبدالغفار، کراچی

■ ہمدرد نونہال میں بڑی اچھی اچھی کہانیاں آتی ہیں۔

محمد خالد یونس، نواب شاہ

■ جاگو جگاؤ ہمیشہ کی طرح سبق آموز تھا۔ جناب مسعود احمد برکاتی کی پہلی بات پسند آئی۔ تمام کہانیاں اچھی تھیں۔ غلام فاروق، کراچی

■ چالاک خرگوش، باورچی خانے میں موت، اناڑی معالج، جوتے کا کمال پسند آیا۔ عقیل احمد، راول پنڈی

■ ہمدرد نونہال میرا پسندیدہ رسالہ ہے۔ اس میں اچھی معلومات ہوتی ہیں لیکن معلوماتِ عامہ کے سوالات بہت مشکل ہیں انھیں ڈھونڈنے میں بڑی دقّت ہوتی ہے پھر بھی مل گئے ہیں۔

مریم فاطمہ، کراچی

■ مستقل سلسلوں کے علاوہ جناب مسعود احمد برکاتی کا مضمون "لکھنے کا شوق" دل کو بہت بھایا۔ اس سے ہمارے کئی شکوک و شبہات دُور ہو گئے ہیں۔ سرفراز درانی، راول پنڈی

■ حکیم صاحب ہمیشہ پہلے صفحے پر "جاگو جگاؤ" میں بہت اچھی اور سبق سکھانے والی باتیں لکھتے ہیں۔ حسن ناصر، بھچراں

■ کہانیوں کا معیار بہت اچھا تھا۔ نونہال ادیب میں "پاک سر زمین" نقل شدہ تھی جو محمد عارف طاہر قریشی، نواب شاہ نے بھیجی تھی۔

محمد عارف، لانڈھی

■ مارچ ۱۹۸۵ء میں ایک نونہال نے لکھا ہے کہ ان کے پاس مئی ۱۸۴۰ء سے پہلے کے ڈاک ٹکٹ موجود ہیں۔ جب کہ یہ بالکل غلط ہے کیوں کہ اس سے پہلے ڈاک ٹکٹ نہیں بنا تھا اور میں دردانہ منیر کی حمایت کروں گا، کیوں کہ دنیا کا پہلا ڈاک ٹکٹ یکم مئی ۱۸۴۰ء میں برطانیہ سے جاری ہوا تھا جس کا نام پینی بلیک اور اس کا ڈیزائن ولیم ملریڈی نے بنایا تھا۔ محمد فاروق ساگر، کراچی

■ مارچ کا دہکتا ہوا نونہال پڑھ کر چھوڑ نہ سکا۔

محمد ریاض احمد، کراچی

■ تمام مستقل سلسلوں کے علاوہ باورچی خانے میں موت اور جوتے کا کمال پسند آئیں۔ عبدالقادر انصاری، کراچی

■ اس جیسا رسالہ میں نے کبھی نہیں پڑھا۔ کہانیاں سات شیخی خور، اناڑی معالج، شوقِ شرارت، بہت پسند آئیں۔ مہروز اقبال صاحب کی جوتے کا کمال بھی اچھی تھی۔ لطیفے بھی مزے دار تھے۔

حامد حمید گوہر، میاں چنوں

■ خاص طور پر جاگو جگاؤ، تحفے، جوتے کا کمال، شوقِ شرارت اور کارٹون بہت پسند آئے۔ اشتیاق احمد میمن، دربیلہ

■ ایک نیا سلسلہ شروع کر دیں بلا عنوان اور نونہال اُس کا عنوان بھیجیں۔ صحیح عنوان بھیجنے والے کو انعام دیا کریں۔

وزیر شاہ، کراچی

■ مارچ کا ہمدرد نونہال بے حد پسند آیا۔ آپ نے آج تک میرا خط شائع نہیں کیا۔ عالیہ لطیف آرائیں، سکھر

■ جاگو جگاؤ، خیال کے پھول، شوقِ شرارت سلسلہ وار کہانی چالاک خرگوش، کارٹون وغیرہ کافی دل چسپ تھیں۔

ساجد اللہ، کراچی

■ میں کئی سال سے نونہال کا قاری ہوں۔ صرف ایک بار خط لکھا تھا وہ بھی ردّی کی ٹوکری کی نظر ہو گیا۔ طاہر انصاری، کراچی

> مگر آپ نے خط لکھا ہی کیا ہے؟

■ تازہ نونہال بہت پسند آیا۔ چند منٹ میں ختم کر لیا۔

اجمیر خان، کراچی

■ اس رسالے کو پڑھنے میں بڑی لذّت محسوس ہوئی۔ آپ نے مئی کے شمارے کے لیے جس تحفے کا انتخاب کیا ہے۔ وہ تحفہ بہت بہترین ہے۔ حیدر رضا، کراچی

■ نظم "اے خدا، اے خدا!" بہت پسند آئی۔

سعید احمد، کراچی

■ مارچ کا نونہال بہت پسند آیا۔ آپ مہربانی کر کے عزیز احمد، حیدر آباد کا نام بلیک لسٹ میں شامل کر لیں۔ انھوں نے کہانی "سونے چاندی کی کلہاڑی" نکل کی ہے۔

عثمان جاوید ہاشمی، راول پنڈی

> بلیک لسٹ تو کر دیا، لیکن صحیح لفظ "نقل" ہے، نکل نہیں۔

■ نونہال مجھے بہت پسند ہے۔ مارچ کے رسالے میں نونہال ادیب میں سعدیہ نور کی کہانی لالچی بڑھیا اور علی احمر نقوی کی "شیخ چلی" سب نقل کی ہوئی تھیں۔ مظہر عمران، شیخو پورہ

■ چند سال پہلے تک میرا خیال تھا کہ نونہال ایک معلوماتی رسالہ ہے اس وقت سے میں باقاعدہ اسے خرید رہا ہوں، مگر آہستہ آہستہ اس میں تاریخی و سائنسی معلومات کی شدید کمی ہوتی جارہی ہے امید کی جاسکتی ہے کہ کمی دُور ہوسکے گی؟ مزید یہ کہ فروری کے شمارے میں "قصہ اڑن ہاپکٹرنے کا" کی قیمت ۳ رُپے پچاس پیسے درج ہے جب کہ مارچ کے شمارے چار رُپے پچاس پیسے میں اسے خریدنا چاہتا ہوں تو مجھے اس کے لیے کیا کرنا پڑے گا؟ عنبر علی، کراچی

آپ کی رائے کا شکریہ ۔ کتابوں کی قیمتیں اب بڑھ گئی ہیں۔

■ مارچ کا شمارہ بہت پسند آیا۔ البتہ نونہال ادیب میں عنبر انیس نے "نعت" نقل کرکے بھیجی ہے ۔ عمران بدر، کراچی

■ جاگو جگاؤ ہمیشہ کی طرح جگمگا رہا تھا۔ سرورق شان دار تھا۔ پورا رسالہ من پسند تھا۔ بہرام علی بلوچ، کراچی

■ رسالہ بہت خوب صورت تھا۔ حکیم محمد سعید صاحب کا جاگو جگاؤ نونہال کا بہت اچھا سلسلہ ہے ۔ پہلی بات سے آپ کے اردوں کا پتا معلوم ہوتا ہے ۔

■ حکیم محمد سعید صاحب کے جاگو جگاؤ نے بے حد متاثر کیا۔ شوقِ شرارت، اے خدا، اے خدا (نظم) نے بھی دل پر گہرے اثرات چھوڑے ۔ نونہال ادیب اور لطیفے بھی اچھے تھے ۔ ذرا لفظ "توقیر" کے معنی تو بتا دیجیے۔ عبدالرشید فاروقی، جھنگ صدر

توقیر کے معنی "عزّت" کے ہیں ۔

■ ٹائٹل بہت ہی خوب صورت تھا۔ اس میں شازیہ کنول، فیصل آباد کی کہانی "ایک رُپے کی کہانی" نقل شدہ تھی۔ یہ کہانی میں نے ایک رُپے والی کہانیوں میں پڑھی تھی۔ آپ بزم نونہال میں ایسے خط چھاپیں یا شائع کریں جن میں کچھ رائے ہو اور "صحت مند نونہال" کی تصویریں اور "نونہال مصوّر"، ان کو ختم کرکے کوئی معلوماتی مضامین شائع کریں تو بہتر ہے ۔ مفضل آدم علی

■ اس دفعہ صرف کہانیاں "چالاک خرگوش، باورچی خانے میں موت اور لطیفے" دل فریب تھے ۔

ایس ایم جمشید یوسف فاروقی، مظفر گڑھ

■ جاگو جگاؤ اپنی مثال آپ تھا۔ "لکھنے کا شوق" پڑھ کر کچھ تسلی ہوئی کہ کبھی نہ کبھی تو ہم بھی نونہال میں اپنا نام دیکھیں گے ۔

محمد صابر حسین، حیدر آباد

■ سب کہانیاں پسند آئیں ۔ نظمیں بھی اچھی تھیں ۔ لطیفے اچھے تھے ۔ نونہال مصوّر تو دن بہ دن ترقی کررہا ہے ۔ محمد حسین شاد، ملتان

■ شوقِ شرارت بہت ہی بور تھی ۔ باقی تمام کہانیاں اچھی تھیں۔

سید احمد علی زیدی، کراچی

■ میں نے نونہال کو پہلی مرتبہ خریدا ہے اور مجھے اس سے اتنی دل چسپی پیدا ہوگئی ہے کہ میں اب ان شاء اللہ آیندہ بھی یہ رسالہ لیتی رہوں گی ۔ کیا آپ اس سال کے اختتام کے بعد بھی تعلیمی کوپن کا سلسلہ جاری رکھیں گے ؟ سعدیہ خلیجی، کراچی

جی ہاں، ارادہ تو ہے ۔

یہ جو آپ نے جنوری سے ایک علمی کوپن تحفہ لگایا ہے، کیا سارے بارہ کوپنوں میں صرف ایک ہی کتاب کا نام لکھا جائے گا یا دوسری تیسری کتاب کا نام بھی لکھ سکتے ہیں؟

فرحت ایم یوسف، ٹنڈو آدم

جی، پورے بارہ کوپنوں میں صرف ایک کتاب کا نام اور نام و پتا لکھنا چاہیے ۔ بارہ کوپنوں کے بدلے میں صرف ایک ہی کتاب ملے گی ۔

■ امید ہے مزاج بخیر ہوں گے ۔ انکل ہم نے اتنے ڈھیروں خط آپ کو لکھے اور آپ نے ایک کو بھی شائع نہیں کیا۔ شاید آپ ہم سے ناراض ہیں یا پھر آپ کے دفتر میں بھی ردی کی ٹوکری کا وجود نمودار ہوگیا ہے۔ اسی لیے ہم نے آپ کو اتنے خط لکھ ڈالے آپ بھی تنگ آکر ضرور شائع کردیں گے ۔

محمد ارشد قریشی، ٹنڈو جام

■ ورق پلٹتے ہی نظر جاگو جگاؤ پر پڑی جو حسبِ معمول سبق آموز تھا۔ کہانیوں میں شوقِ شرارت بالکل ہی بور تھی۔ باقی کہانیاں ٹھیک تھیں۔ ہدایت اللہ، جیکب آباد

■ بعض نونہال کہتے ہیں کہ آپ صرف کراچی والوں کے تحریریں شائع کرتے ہیں۔ یہ خط چھپوانے کا بہترین طریقہ ہے ۔ میرے بھی ایک دوست نے اس فارمولے پر عمل کیا اور

لکھا کہ آپ صرف کراچی والوں کی تحریریں شائع کرتے ہیں حالانکہ وہ خود کراچی کا ہے ۔

تنویر شعیب، کراچی

■ کتنی اور کب تک آپ سے شکایت کریں۔ اگر ہمارے خطوط اچھے نہیں ہیں تو کم از کم آپ منع تو کیجیے کہ خط مت لکھو؟ واقعی ہم آپ کی طرف خط نہیں لکھیں گے ۔ مسئلہ رہا پڑھنے کا تو ہم آپ کے منع کرنے پر بھی نہیں چھوڑیں گے ۔

مسکین منیر حسین منگی، لاڑکانہ

■ میں نے بزم نونہال کے لیے اتنے خطوط لکھے ان میں سے ایک بھی شائع نہ ہوسکا۔ اور نونہال ادیب کے لیے بھی میں نے بہت سارے مضمون اور نظم رسال کی ہیں ایک بھی مضمون شائع نہ ہوا۔ کیا آپ ہم سے ناراض ہیں ؟

محمد شکیل مغل، کراچی

اُن نونہالوں کے نام جنھوں نے ہمیں بہت اچھے اچھے خطوط لکھے، لیکن جگہ کی کمی کے باعث اُن کے صرف نام دیے جا رہے ہیں۔

کراچی: ۔ سید رفیع حسن ، عبد الشکور، محمد اظفر ساجد، شبانہ، شکیل محمد خلیل، فوزیہ تحسین، ناز ش حسن ، سلامہ حمید فاروقی، روبینہ فرید، رضا ایاز، شفقت علی شاہ، وسیم مبارک، حبیب حسن رحمانی، دیم خان، منور اشرف فاروقی، عرفان علی، تمثیل فاطمہ، محمد منصور، صائمہ، شبانہ پروین، سید محمد عمران، کاشف بدر، ثمینہ گل، ساجدہ اسلم ، ساجد علی خان، عمران قادر، آصف رزاق ، شائستہ وجاہت، اشتیاق احمد، راشد چراغ ، جاوید عبد الغفور، داد محمد بہادر، امین تجانی، شوکت علی خٹک، عمران قریشی، نسرین ناز البلوشی، منیرہ مقبول، فائزہ نسیم اختر، محمد سلمان سعید، امتیاز احمد، قادر جان دشتی، ایاز سرور، فیبیہ فرید، سلطان فرید، ثوبیہ بھوجانی، محمد متحمل سائیں ، فیصل رئیس، کنیز فاطمہ، رضا عباس، عون محمد، نصرت بتول، شیریں بتول ، نوازش عباس، سید ریاض امام رضوی، ارم خان، طلعت بخمی، محمد اسلم عابد، محمد شاہد رزاق، افشاں جبیں، سرتاج فاطمیہ، عارف غفور، شمیل اختر، غلام محمد، شاہد اختر، راشد اختر، کشور جہاں، فرزانہ، رضوان روشن علی، محمد علی احمد ۔ حیدر آباد : ۔ توقیر احمد شیخ، امتیاز حسین، ضیا مصباح، تعلیمبر دھنانی، جاوید نصیر۔ نواب شاہ: ۔ شازمہ کنول، چوہدری عابد حسین نثار احمد سموں، اسما تبسم سلیم اللہ، حمید سمیع ۔ ملتان: ۔ سید محمد عترت کاظمی، امتیاز احمد، میمونہ جاوید، نزاد سحر۔ جہلم: ۔ شگفتہ افشاں، نامرہ سلطانہ ، ناظمہ خاتون، شگفتہ افشاں، علی فراز ۔ مظفر گڑھ: ۔ ایس ۔ ایم جمشید یوسف فاروقی۔ لاہور: افشاں احمد۔ ملتان: شبانہ پروین، محمد ظوالحیّ گوندل، جمشید احمد مرزا، شیخ محمد شفیق۔

کراچی: ۔ نجم السحر، ہما ریاض ، سید انیس احمد، محمد وقار الاسلام صدیقی، علی رضا، سید ندیم اختر، سید نہال اظہر علی کرمانی، فوزیہ سلطانہ، محمود عرفان انعام، شمشیر خان، طارق محمود، محمد رحیم خان، عدنان حکیم، شمیم لطیف، عمران، فرحان، غفار، فرحانہ حجاب، عبد الحق، عبد الرزاق انصاری فرزانہ گل ، مرزا محمد عارف خلیل، وجیہہ شیریں، سید شجاعت علی، سلمان منیر۔ اسلام آباد: ۔ محمد عمران صدیقی، سنیلا افضل، عابدہ ریاض ، علی نذیر، قاضی خاور نعیم، روبینہ میر۔ حیدر آباد : ۔ محمد ممتاز، محمد رفیق، فرح ناز فاطمہ ، ببلی اطہر علی خاں، سہیل احمد ثاقب، محمد شفیق محمد مبشر، ٹنڈو آدم: ۔ راجا محمد یونس راجپوت ۔ شاہ پور چاکر: ۔ فصیح اللہ خان، محمد عامر خاں ۔ لاڑکانہ : ۔ بشیر احمد سومرو، انیلا تقی، سید علی حیدر جعفری، فیصل آباد : ۔ عامر یوسف ، محسن الطاف، فوزیہ رشید شیخ ۔ ٹنڈو الہیار: ۔ جاوید حکیم خان کھوکھر۔ لاہور: ۔ وسیم ظہیر، صولت صابر، وقار انجم، عالم ۔ بلوچستان: ۔ راشد علی ناشاد۔ سندھ: ۔ بجیب عبد الصمد، فہد عبد الصمد ۔ سکھر: ۔ کلیم احمد ۔ ڈگری: ۔ محمد اسحاق خان ۔ ٹنڈو الہیار: ۔ گوجر خان: ۔ رخسانہ شاہین ۔ مانسہرہ: ۔ ثمینہ ممتاز سحر ۔ روہڑی: اشرف اقبال ۔ غازی ہملٹ: ۔ محمد اشفاق ناصر ۔ شاہ ڈوب: ۔ حلیم ۔ خیر پور میرس: ۔ سعود میر خاں ۔ کھلابٹ ٹاؤن: الیاس احمد ۔ واہ کینٹ: عرفان الحق ۔ سکرنڈ: ۔ ندیم احمد خانزادہ ۔ حیوانی: ۔ یوسف یاد بلوچ ۔ میاں ڈھیری: ۔ مسرور رشاد ۔ گوادر: ۔ محمد علی صابر ۔ ڈیرہ غازی خان: ۔ سجاد احمد بلوچ ۔ جھنگ: عبد الرشید فاروقی ۔ روہڑی: عظمی فاطمہ ۔ سکھر: حمید اللہ خاں ۔ ٹنڈو محمد خان: ۔ پرنس اسرار آرائیں ۔ بھنگر: سرفراز احمد۔

معلومات عامہ ۲۲۷ کے صحیح جوابات

ہمدرد نونہال کی مقبولیت میں جیسے جیسے اضافہ ہوتا جارہا ہے معلومات عامہ کے جوابات میں حصہ لینے والوں میں دل چسپی بڑھتی جارہی ہے۔ ہم سے بعض نونہالوں نے شکایت کی ہے کہ ہماری تصویریں کیوں شائع نہیں کی گئیں، جب کہ ہمارے تمام جوابات درست تھے۔ بات یہ ہے کہ جن کی عمر اچھی ہوگئی ہے یا وہ اپنی عمدہ صحت کی وجہ سے ماشاء اللہ جوان معلوم ہوتے ہیں ان کی تصویریں نونہالوں کے ساتھ کچھ اچھی نہیں معلوم ہوتیں۔ اس لیے ہم ذرا تامل کرتے ہیں۔ ویسے بھی اصل چیز تو نام ہے۔ نام بہت بڑا انعام ہے۔ معلومات عامہ ۲۲۷ کے صحیح جوابات یہ ہیں:-

۱۔ مسجد قبا میں دو رکعت نماز پڑھنے کا ثواب عمرے کے ثواب کے برابر ہے۔
۲۔ تاریخِ اسلام کی پہلی شہید خاتون کا نام حضرت سُمیّہ ہے۔
۳۔ پاکستان کے بارے میں "پاکستان ناگزیر تھا" کے نام سے سید حسن ریاض نے ایک اچھی کتاب لکھی تھی۔
۴۔ پاکستان میں معیاری وقت (اسٹینڈرڈ ٹائم) کا نفاذ ۱۹۵۱ء میں عمل میں آیا۔
۵۔ جنرل محمد ضیاء الحق نے پاکستان کے چوتھے مارشل لا کا نفاذ ۵۔ جولائی ۱۹۷۷ء کو کیا تھا۔
۶۔ اسلامی سربراہ کانفرنس لاہور کے موقع پر جمیل الدین عالی نے ترانہ لکھا تھا۔
۷۔ شہیدِ ملّت لیاقت علی خاں کے آخری الفاظ "خدا پاکستان کی حفاظت کرے" تھے۔
۸۔ پاکستان کے واحد فیلڈ مارشل جناب محمد ایوب خان تھے۔
۹۔ جناب ذوالفقار علی بھٹو نے صدر کی حیثیت سے پہلی بار اردو میں حلف اٹھایا تھا۔
۱۰۔ سب سے زیادہ انڈے دینے والا جانور مچھلی ہے۔
۱۱۔ لفظ "انسائکلوپیڈیا" کے لیے اردو لفظ "دائرۃ المعارف" یا دائرۂ معارف ہے۔
۱۲۔ پاکستان نے کرکٹ کا سب سے پہلا ٹیسٹ بھارت کے خلاف کھیلا تھا۔

بارہ صحیح جوابات بھیجنے والوں کے نام

کراچی

سید نہال اظہر علی کرمانی
احمد شریف
سائرہ رضا
محمد سلیم خیر الدین
شیر بہادر افغانی
سلیم انور عباسی
شاہد اقبال شاہد
عظمیٰ اقبال
سید محمد عمر
اعزاز شکیل کرمانی
عمران خلجی
مشتاق رحمت اللہ
عاصمہ جمیل
محمد اسمٰعیل
عفت صمد
رومانہ فاروقی

میرپور خاص

محمد شکیل اللہ میر
ایاز علی
ندیم عبدالمجید
شہزادہ ذوالفقار علی
فیصل خان
عبدالستار خان قادری
مشتاق احمد مختیار احمد
عبدالرحیم بلوچ
محمد شہزاد میمن
فتح محمد
رضوان احمد
ساجد خان
محمد اعظم خان
افتخار حسین
محمد حسن بلوچ
گل حسن بلوچ
شبیر احمد چاند
ندرت چاند
ظہیر بابر چاند
اصغر خان
محمد سلیم نیاز محمد
محبوب مزمل
محمد عارف محمد رفیق
محمد سلیم راجپوت
جاوید فرہاد
ماجد علی بلوچ
سعید احمد
محمد ناصر محمد رمضان
محمد جاوید محمد حسین
اللہ بخش سومار بلوچ
محمد جاوید محمد رمضان

حیدرآباد

لبنیٰ شیریں
ہما جبیں
عظمیٰ یسمین
مرزا توصیف بیگ

نواب شاہ

محسن رجب علی
یاسین رجب علی
محسن علی
محمد امیر علی

سیالکوٹ

نادر شاہین
دُرِ شہوار شاہین
اشہد شاہین
عنبرین شاہین
نبیل شاہین

سانگھڑ

غلام رسول پارس
محمد امین سیف الملوک

سنجھورو

محمد طاہر آرائیں
مبارک علی خان شیخ

بستی آڈھوجہ

شہزادہ سفری بالو

مینگورہ

فضل ربی راہی

شکارپور

ایم فہیم شیخ

سکھر

الطاف حسین

بارہ صحیح جوابات بھیجنے والوں کی تصاویر

خورشید احمد، کراچی

فضل وہاب عاشی، مینگورہ

غلام مرتضیٰ غوری، ملتان

حفیظ الرحمٰن خانزادہ، حیدرآباد

ثمینہ نوشین، کراچی

مرتضیٰ حسین قمری، کراچی

سید حسنین حیدر، کراچی

محمد عدنان خاں، کراچی

وسیم انوار، کراچی

علی محمد، کراچی

سید افتخار احمد، کراچی

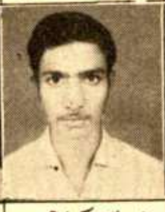
محمد وسیم، کراچی

فرید الرحمٰن قریشی، کراچی

شفقت مزار، کراچی

سیف الرحمٰن کلسی، شاہ پور چاکر

سلمان منیر، کراچی

رعنا صمد، کراچی

شہنیلا فاروقی، کراچی

محمد عمران، کراچی

گیارہ صحیح جوابات بھیجنے والوں کے نام

کراچی

سید محمد احسن
غزالہ نذیر
نازیہ رمضان
ثمینہ نذیر
سیما حیدر زیدی
محمد اکرم قریشی
سلیم حمید

سانگھڑ

مرزا تیراز احمد کیانی
فرید احمد قریشی

ملتان

سید ظفر علی جعفری
سید اسرار علی جعفری
سید مظہر علی جعفری

فیصل آباد

مسرت جبیں ناز
ماہ جبیں ناز
محمد جاوید اقبال ناز
شہزاد سعید
خالدہ زرّین، حیدرآباد

سکھر

تسنیم ناز انصاری
شفاء الحسن انصاری
محمد محبوب الرحمٰن، کراچی
محمد اسحٰق خان، ڈگری
فیاض احمد قریشی، شکارپور
محمد ارشد قریشی، ٹنڈو جام

گیارہ صحیح جوابات بھیجنے والوں کی تصاویر

سید اظہر جاوید جعفری، ملتان

اوصاف احمد راشد، میرپورخاص

عبدالمجید شیخ، سانگھڑ

حبیب اللہ بلوچ، سکھر

محمد عبدالصمد، شاہ پور چاکر

محمد عبدالباسط، شاہ پور چاکر

احمد افضل، کراچی

نقیب احمد وزیر، کراچی

عمران منشاء اللہ، کراچی

چمن زیب، کراچی

دس صحیح جوابات بھیجنے والوں کے نام

کراچی

شبانہ عزیز
فیصل مشتاق
شہناز فاطمہ نقوی
سیدہ صبیحہ صنوبر
نجمہ عبدالمجید
شہناز فاطمہ
عظمیٰ سعید
رخسانہ فضل الدین
سید رضوان احمد

ثمینہ عالیہ جان
روبینہ طلعت
شمع عالیہ ناٹی
فیصل مشتاق
انجم پروین
زہرہ صنوبر
طلعت جہاں آرا
طلعت عالیہ جان
احمد نعمان فاضلی
رضوانہ عالم

ممتاز منور
محمد عارف
شیراز علی
طلعت جاوید
طلعت عاشق جان
رخسانہ عبدالرحمٰن
عتیق حسن رحمانی
مسرت پروین
شمیم عبداللہ
محمد جاوید

محمد اسلام

حیدرآباد

جہاں آرا جان
شمع ریاض
طلعت گلاب
روبینہ عالیہ جان
طلعت رانی آرا
طارق وسیم احمد قاضی
ندیم احمد قاضی اور پرتاب موہن
عبدالجبار راجپوت، شہداد پور
اُم کلثوم گوندل، ملتان
مسعود سرور گوندل، ملتان

دس صحیح جوابات بھیجنے والوں کی تصاویر

عبدالرزاق ندیم، کراچی

محمد ایاز، کراچی

اسلم پردیسی، کراچی

ایم اشرف چوہان، کراچی

رضوان علی، کراچی

ملک سرفراز احمد، ملتان

عدنان علی، کراچی

محمد شہزاد نقوی، کراچی

محمد جاوید، کراچی

محمد یامین، کراچی

محمد صادق انجم، کراچی

محمد اکرم، کراچی

محمد افضل، کراچی

محمد جاوید، کراچی

سہیل صدیق، گوجرانوالہ

محمد سعید، کراچی

محمد فیاض، کراچی

محمد عارف اقبال انصاری، کراچی

جاوید محمد جان، کراچی

محمد اختر، کراچی

ریاض الدین، کراچی

محمد عباس، کراچی

محمد جاوید علی نقوی، کراچی

محمد ارشد شہاب، کراچی

چوہدری محمد اشرف، کراچی

نو صحیح جوابات بھیجنے والوں کے نام

کراچی

آصف رزاق
سید علی افتخار نقوی
محمود عالم عثمانی
سیما ہاشم
شیر احمد افغانی
شیر بہادر افغانی شیرزادہ
ادم خان
مزمل امیر علی
وجیہہ شبیر ہیں
طارق انیس
سید ثاقب توحید
محمد طیب
حسیب حسن رحمانی
محمد ارشد قریشی
فہمیدہ اکرم قریشی
نجمہ قریشی
سلمٰی قریشی
طارق اسلم قریشی
ثنا اسلم قریشی
قیصر مصطفٰی قریشی
صابر علی بہاری
عالیہ حیدر زیدی
عمران حیدر زیدی
اکرام حیدر زیدی
کلیم حیدر زیدی
انار گل
نعمان عثمان غوری
حسان عثمان غوری
عمران عثمان غوری
سیما توحید

ٹنڈو جام

فہمیدہ
محمد اکرم قریشی
سلمٰی قریشی
نجمہ قریشی
محمد ارشد قریشی آزاد
عبدالرحمٰن قریشی

شہداد پور

ایم-آر دانش
محمد رفیق شیخ

مختلف شہروں سے

علی عمران جان، فیصل آباد
محمد جاوید غوری، سانگھڑ
مصباح ستار، حیدر آباد
وقار میر، گوجرانوالہ
طارق اشرف آرائیں، نواب شاہ

بوجھو تو جانیں کا صحیح جواب

(اپریل ۱۹۸۵ء کا جواب)

بعض جانور بہت تیز دوڑتے ہیں۔ خاص طور پر مختصر فاصلوں میں اُن کی رفتار زیادہ ہوتی ہے۔ مثلاً چیتا ۱۱۱ کیلو میٹر فی گھنٹے تک کی رفتار سے دوڑ سکتا ہے۔ ہرن ایک گھنٹے میں ۹۵ کیلو میٹر، لومڑی، خرگوش، شکاری کتا اور ریس کا گھوڑا تقریباً ساٹھ کیلو میٹر فی گھنٹے کی رفتار سے دوڑ سکتے ہیں۔ نیچے اپریل ۱۹۸۵ء کے "بوجھو تو جانیں" میں شائع ہونے والے جانوروں کے نام نمبروار لکھے جا رہے ہیں۔ تیز رفتاری کے اعتبار سے جو جانور اوّل، دوم اور سوم ہیں، وہ ان کے نام کے آگے لکھ دیا گیا ہے۔

۱۔ لومڑی
۲۔ شمالی امریکا کا شاخ دار سینگوں والا ہرن ــــ دوم
۳۔ چیتا ــــ اوّل
۴۔ شکاری کتا
۵۔ ریس کا گھوڑا ــــ سوم
۶۔ خرگوش
۷۔ بھینسا

لحمیات (پروٹینز) کے وجود سے روئے زمین پر حیات ممکن ہوئی!

حیاتِ انسانی اور صحتِ جسمانی کے لئے لحمیات (پروٹینز) خوراک کا ناگزیر حصہ ہیں۔ انسان کی انفرادیت و شخصیت اور اعمال و وظائف کی تکمیل اور خیالات کی توانائی لحمیات کے بغیر ممکن نہیں۔ لحمینا چنیدہ جڑی بوٹیوں، پروٹینز، کاربوہائیڈریٹس اور دیگر غذائی اجزا کا ایک متوازن مرکب ہے۔

روزانہ کے تھکا دینے والے کام جب جسم انسانی کے کل پرزوں کو کمزور کر دیتے ہیں، تو وہ صرف پروٹینز سے دوبارہ نشوونما حاصل کرتے ہیں۔

لحمینا بجا طور پر جسم انسانی کے لئے ایک مفید اور قابلِ اعتماد غذائی معاون ہے۔

لحمینا کا روزمرہ باقاعدگی سے استعمال جسم انسانی کی نشوونما کو برقرار رکھتا ہے اور جسم میں توانائی پیدا کرتا ہے۔

خاندان کے ہر فرد کے لئے ایک مکمل غذائی ٹانک

لحمینا — برائے اسٹیمنا

ہمدرد

ہم خدمتِ خلق کرتے ہیں

احسان کا بدلہ نہ ادا کرسکو تو شکریہ ادا کرو۔

Adarts L-1/81

ہمدرد نونہال

مئی ۱۹۸۵ء

رجسٹرڈ ایس نمبر ۱۹۰۳

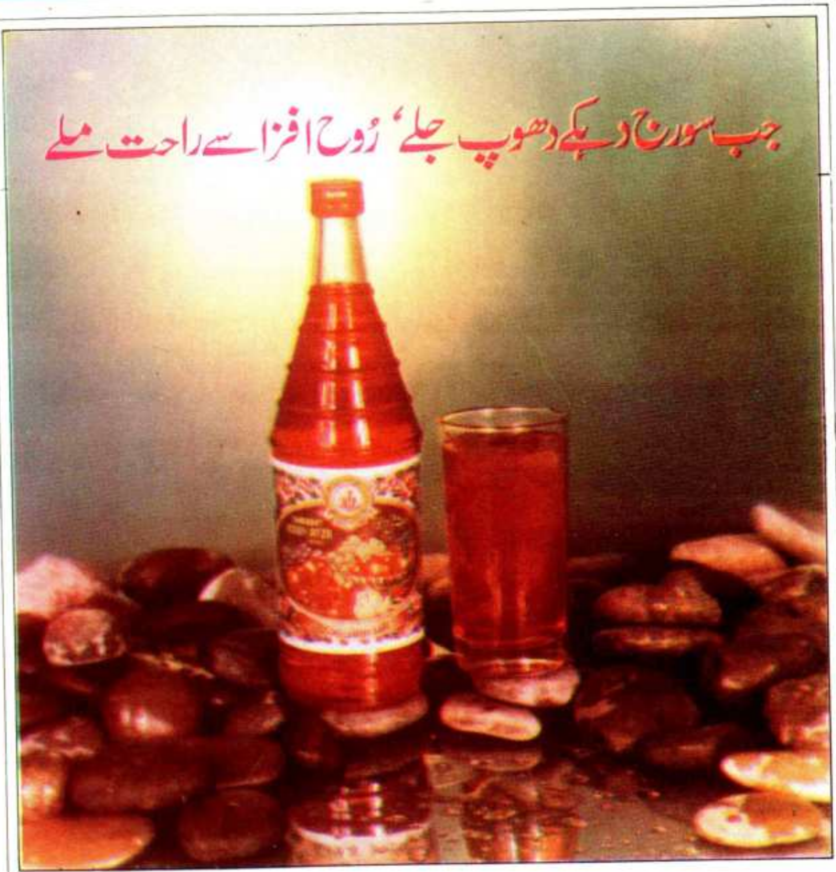

مشروبِ مشرق رُوح افزا اپنے منفرد خواص کی بدولت
نظامِ حرارت و برودت میں توازن اور اعتدال پیدا کرکے گرمی کی شدّت اور بے چینی سے محفوظ رکھتا ہے،
جسم و جان کو ٹھنڈک پہنچا کر پیاس بجھاتا ہے اور تسکین بخشتا ہے۔

ہمدرد
ہم خدمتِ خلق کرتے ہیں

رُوح افزا مشروبِ مشرق

آوازِ اخلاق
اخلاق عملاً مذہب ہے اور مذہب اصولاً اخلاق ہے۔

Adarts HRA-5/84